ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

مدیر مسئول:

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: ۸۵۲۶۱۱

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ (مرحوم)

شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ
بمطابق
جون ۱۹۸۳ء
جلد دوم، شمارہ ۴

مدیر اعزازی
ڈاکٹر ابصار احمد
(ایم اے۔ ایم فل۔ پی ایچ ڈی)
معاون مدیر:
حافظ عاکف سعید
(ایم اے فلسفہ)

حرفِ اوّل ابصار احمد	۳
الٓم (سورہ "ق") ڈاکٹر اسرار احمد	۵
علامہ اقبال اور کتابِ زندہ پروفیسر مرزا محمد منور	۱۱
مقامِ صدیقی پروفیسر یوسف سلیم چشتی	۱۷
محمد رسول اللہ بحیثیت مزکّی و مطہرِ امّت مولانا الطاف الرحمٰن بنوی	۲۶
نواب صدیق حسن خان کی خدمتِ قرآن مولانا محمد اسحاق بھٹی	۳۴
قرآن میں ناسخ و منسوخ ڈاکٹر قاری سید محمد رضوان اللہ ازہری	۴۲
رمضان المبارک مولوی صادق الاسلام صاحب	۵۱

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد ۔ طابع: ایس اے سلیم ۔ مطبع: آفتاب عالم پریس لاہور

زرِ سالانہ: -/۲۰ روپے ❖ فی شمارہ: -/۲ روپے

یکے از مطبوعات: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔ ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

آپکے احباب کے لیے بہترین تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

"مُسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجیے

دورانِ ماہِ رمضان اہل وعیال اور اعزہ واقارب کے ساتھ اجتماعی مطالعہ کیجیے!

(نوٹ) اس کتابچے کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، فارسی ترجمہ زیرِ طباعت ہے۔
اس کے حقوقِ اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے!

شائع کردہ

مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور

۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۱۱

ابصار احمد

حرفِ اوّل

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

"حکمتِ قرآن" کا جون ۸۴ کا شمارہ قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش ہے۔ پابندیٔ وقت کے اعتبار سے جو تعویق و تاخیر واقع ہو رہی تھی، الحمد للہ اس پر بڑی حد تک قابو پانے کی کوششیں کامیاب ہوئی ہیں اور توقع ہے کہ آئندہ ہر ماہ کے پہلے ہفتے میں "حکمتِ قرآن" کا شمارہ منصۂ شہود پر آجائے گا

اس شمارے کے مضامین مولانا الطاف الرحمٰن بنوی مدظلہ استاذ قرآن اکیڈمی کے مضامین کے علاوہ ان مقالات پر مشتمل ہیں جو مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی محاضراتِ قرآنی میں پیش کیے گئے تھے۔ ایسے مقالات کے بارے میں اس امر کا اظہار غیر مناسب نہیں ہو گا کہ ان مقالات کے نفسِ مضمون استدلال سے ادارے کا کامل اتفاق ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسے علمی مضامین کی بھی اشاعت ہوتی رہے جو غور و فکر، نقد و تبصرہ اور جرح و تعدیل کی راہیں کھول سکیں۔ لہٰذا ہم اہلِ دانش و بینش کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان مسائل پر قلم اٹھائیں جو بعض مقالات میں غور و فکر کے متقاضی ہیں۔

ہمیں افسوس ہے کہ مولانا محمد طاسین صاحب کے مضمون "مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام" کی چوتھی قسط کی کتابت خوشنویس صاحب بعض مجبوریوں کی وجہ سے شروع ہی نہیں کر سکے۔ اس لیے وہ اس شمارے میں شامل نہیں ہو سکی۔ ان شاء اللہ

یہ قسط آئندہ شمارے کی زینت بنے گی۔

ان سطور کا راقم اور "حکمتِ قرآن" جیسے دقیع و علمی جریدے کے ادارہ تحریر کا رکن صحافت کے میدان میں نو آموز ہے۔ یہ تو برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن کی خواہش کا احترام ہے کہ جس کے باعث راقم نے یہ ذمہ داری قبول کرلی تھی ورنہ "من آنم کہ من دانم"۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے راقم کی حوصلہ افزائی اور اس وادی میں تجربہ کے حصول کے لیے یہ بارِ گراں راقم کے ناتواں کاندھوں پر ڈال رکھا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ راقم کی تدریسی مشغولیت و مصروفیت اس قدر زیادہ ہے کہ پرچے کی ادارت کی ذمہ داری کما حقہٗ ادا نہیں ہو پاتی۔ اس ضمن میں عزیزم میاں حافظ عاکف سعید سلمہٗ (ایم۔ اے فلسفہ) کی معاونت راقم کو حاصل نہ ہوتی تو شاید راقم اس ذمہ داری کو قبول کرنے کا اپنے میں قطعی حوصلہ نہ پاتا — لیکن اس وقت عملی صورت حال یہ ہے کہ میاں عاکف سلمہٗ، محترم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ امریکہ کے دعوتی دورے پر گئے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف تو ان شاء اللہ اوائل جون ۸۳ ہی میں واپس تشریف لے آئیں گے، لیکن میاں عاکف پورا رمضان المبارک وہیں گزاریں گے۔ چونکہ شکاگو میں تراویح پڑھانے کی خدمت ان کے سپرد کی گئی ہے لہٰذا ان کی عید الفطر تک مراجعت متوقع ہے۔

زیرِ نظر شمارہ اس حال میں مرتب کیا گیا ہے کہ نہ محترم ڈاکٹر صاحب کے مشوروں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا اور نہ پرچے کی تدوین و ترتیب میں میاں عاکف سلمہٗ کی معاونت حاصل ہو سکی۔ لیکن چونکہ پرچے کی عدم پابندیٔ وقت پر قابو پانا پیشِ نظر ہے۔ لہٰذا جون کا شمارہ جیسے تیسے مرتب کر کے قارئین کی خدمت میں پیش ہے —

(تیسری قسط)، سورۂ قٓ

الھدیٰ

ڈاکٹر اسرار احمد

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ
مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَ
كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ
مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۝ آمنت باللہ صدق اللہ العظیم

السلام علیکم ! نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد :

قرآن حکیم کی سورتوں میں سے دوسری سورہ جسکا آغاز حروف مقطعات میں سے صرف ایک حرف سے ہوتا ہے سورہ "قٓ" ہے ۔ جو اسی نام سے موسوم ہے ۔ ۴۵ آیات اور تین رکوعوں پر مشتمل یہ سورہ مبارکہ مصحف میں ۲۶ ویں پارہ کی آخیر میں واقع ہوئی ہے ۔ اس سورہ مبارکہ کا مرکزی مضمون ہے "اثبات آخرت"۔

قرآن مجید جن تین بنیادی باتوں کو ماننے کی دعوت دیتا ہے ۔ جو گویا اسلام کے اساسی معتقدات ہیں ۔ بنیادی ایمانیات ہیں ۔ ان میں سے اصولی اعتبار سے تو اہم ترین ہے توحید لیکن عملی اعتبار سے اہم ترین ہے معاد یا عقیدۂ آخرت ۔ اس لیے کہ انسان کے عمل کی درستی کا دار و مدار اسی عقیدے کی درستی پر ہے ۔ اگر انسان کو یقین ہو کہ زندگی صرف یہ زندگی نہیں ہے مرنے

کے بعد پھر جی اٹھنا ہے اور اپنے ربّ کے حضور میں حاضری دینی ہے اور وہاں اس زندگی کے تمام اعمال کا محاسبہ ہوگا اور جزا و سزا کے فیصلے ہونگے۔ اگر یہ یقین انسان کے دل میں راسخ ہو جائے تو واقعہ یہ ہے کہ پھر انسان کے عمل کی درستی اور اسکی سیرت و کردار کی صحت اس کا ایک لازمی نتیجہ ہوگا۔

اس سورہ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝

سے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا تھا حرف قٓ جو شروع میں آیا ہے اگر گنتی کی جائے تو اس سورہ مبارکہ میں وہ ۵۷ مرتبہ آیا ہے جو ۱۹ کا ۳ سے صحیح حاصل ضرب ہے اور اس معاملے میں اس سورہ میں ایک خاص نکتہ اور ہے اور وہ یہ کہ اس میں بعض معذّب اقوام کا ذکر بھی ہے۔ جیسے قوم لوط، قوم عاد، قوم ثمود۔

قرآن مجید میں ۱۳ مقامات پر قوم لوط کا ذکر ہے لیکن ۱۲ جگہ "قوم لوط" کے الفاظ آئے ہیں اور اس سورہ میں "اخوان لوط" کہا گیا۔ اور واقعتاً یہ بات بڑی —— SIGNIFICANT یعنی بڑی معنی خیز ہے کہ اگر یہاں لفظ قوم آتا تو قٓ کا حرف بڑھ جاتا۔ تعداد کے اعتبار سے ۵۸ ہو جاتا اور اس طرح وہ جو حسابی نظام ہے درہم برہم ہو جاتا۔ جس کا تعلق ۱۹ کے عدد سے ہے اس کے بعد فرمایا۔ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ

قسم ہے اس بزرگ و برتر قرآن کی —— قسم کا اصل حاصل اور مفاد شہادت اور گواہی ہے۔ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر سب سے بڑی گواہی اسکی سب سے بڑی شہادت اسکی سب سے بڑی دلیل، اس کا سب سے بڑا برہان خود قرآن مجید ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ اصل معجزہ قرآن حکیم ہی ہے۔ پس رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے اثبات میں قرآن مجید کی گواہی پیش کرنے

کے فوراً بعد عقیدہ آخرت کے ضمن میں لوگوں کو جو اشکال پیش آ رہا تھا جو اعتراض وہ وارد کر رہے تھے - اس کا ذکر ہے -

بَلْ عَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝

"یہ لوگ بڑے تعجب میں ہیں کہ انہی میں سے ایک شخص کو اللہ نے رسول بنا کر انکی طرف مبعوث کر دیا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ رسول جو ہمیں خبر دے رہے ہیں کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھیں گے تو کیا جب کہ ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے، ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ جائیں گی تو کیا پھر ہمیں اٹھا لیا جائے گا - یہ بات تو بہت دور کی ہے بڑی بعید از قیاس بات ہے، سمجھنے میں آنے والی بات نہیں -" اس سے اس سورہ مبارکہ کا آغاز ہوا اور پھر مختلف دلائل مختلف شواہد سے عقیدہ آخرت کا اثبات کیا گیا -

پہلے گواہی دی گئی آفاق سے، اس کائنات کو دیکھو - اس کے آثار کو دیکھو کیا وہ پروردگار جو اس کائنات کا خالق ہے کیا اس کے لئے یہی بات مشکل ہو گی کہ تمہیں دوبارہ پیدا کر سکے - چنانچہ اسی سورہ مبارکہ میں ایک مقام پہ فرمایا -

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ط

کیا پہلی مرتبہ کی تخلیق کے بعد ہم عاجز آ گئے ہیں اور کیا ہماری قوت خلاقی ختم ہو گئی ہے کہ ہم دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے - ؟ یہ بالکل سیدھی سی بات ہے کہ کسی بھی کام کو پہلی مرتبہ کرنا مشکل تر ہوتا ہے دوبارہ کرنا آسان تر ہوتا ہے - تو ہم نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا، تمہیں بنایا تو کیا ہم عاجز ہو گئے کہ دوبارہ تمہیں پیدا نہ کر سکیں گے — پھر ایک گواہی انسان کے ماحول سے دی

گئی - کہ تم زمین کو نہیں دیکھتے کہ مردہ پڑی ہوتی ہے، بنجر، بے آب و گیاہ - زندگی کے کوئی آثار اس میں نہیں ہوتے - بارش برستی ہے زمین سے روئیدگی نمودار ہوتی ہے ہریاول ہی ہریاول زندگی ہی زندگی ہر چہار طرف دوڑتی ہے اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے واقعی مردہ زمین زندہ ہو گئی ہو - یہ تمہارے سامنے کی بات ہے - تم شب و روز اس کا مشاہدہ کرتے ہو تو جو اللہ اس مردہ زمین کو آسمان سے بارش برسا کر زندہ کر سکتا ہے - کیا وہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا!

آیت ۹ میں فرمایا گیا کہ ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا پھر اس پانی سے پھلوں سے لدے باغ، غلے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کر کے بندوں کو رزق پہنچانے کا انتظام فرمایا -

وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ط

یعنی جس طرح پانی سے ہم مردہ زمین کو زندگی بخش دیتے ہیں اسی طرح تم بھی قیامت کے دن زمین سے نکل آؤ گے - كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ جیسے کہ زمین سے روئیدگی نکل آتی ہے — اس کے بعد دوسرے رکوع میں انسانی نفسیات کے بڑے اہم نکات بیان ہوئے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اپنی علمی قدر و قیمت کے اعتبار سے یہ اتنے اہم ہیں کہ سرسری گفتگو اور محدود وقت اس کے متحمل نہیں ہو سکتے -

اس کے بعد قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے - کہ کس طرح نوع انسانی دو حصوں میں منقسم ہو جائے گی - ایک جہنم والے ہوں گے پھر جہنم کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس میں انسانوں کو جھونکا جاتے گا - اور پروردگار جہنم سے پوچھے گا -

هَلِ امْتَلَاْتِ

تو بھر گئی کہ نہیں؟ تیرا پیٹ پُر ہو گیا یا نہیں؟ اور وہ جواب دیتی رہے گی کہ

هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ

کیا ابھی کچھ باقی ہے؟ اگر ہے تو وہ بھی لے آتے جائیں۔

ان جہنّم والوں کے مقابلے میں جنت والے ہوں گے۔ ان کے متعلق فرمایا گیا۔

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ

"اور جنّت متقیوں کے لئے قریب لے آئی جائے گی۔ کچھ بھی دور نہ ہو گی"۔

پھر ان اہل جنّت سے کہا جاتے گا

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝

"یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا"، ہر اس شخص کے لئے جو بہت رجوع کرنے والا اور بہت احتیاط کرنے والا تھا۔"

یہ سارا نقشہ کھینچنے کے بعد فرمایا اس کائنات کے شواہد اسکی گواہیاں اگر گوشِ حقیقت نیوش سے اس کائنات میں ہر چہار طرف سے آنے والی صداؤں کو سنو اور اگر نگاہ عبرت آموز سے اس کائنات کے چاروں طرف پھیلے ہوئے آثار اور آیات الٰہیہ کا مشاہدہ کرو تو تمہیں ہر طرف سے قیامت کا اثبات نظر آئے گا۔ اور پھر جب قرآن پڑھو گے اسکی آیات بینات میں اسی آخرت کے عقیدے کے لئے بار بار تذکیر ہے۔

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝

اس میں نصیحت ہے سبق آموزی ہے یاد دہانی ہے اس کے ایک ایک جملے میں اسکی ایک ایک آیت میں اسکے ایک ایک حرف میں ان حقائق کی یاد دہانی ہے۔ کہ جس کی طرف اشارہ کر رہی ہے اس کائنات کی ہر شے

اسکی طرف اشارہ کر رہی ہے انسان کی اپنی فطرت بھی اور اسکی اپنی عقل بھی۔
اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ ہ
جو کوئی بھی قلب زندہ کا مالک ہو دل بیدار کا مالک ہو اس کے لئے بھی اس میں تذکیر ہے اور نصیحت ہے اور جو کوئی کان لگا کر دھیان سے ان آیات کو سنے اس کے لئے بھی اس میں نصیحت ہے اور یاد دہانی بھی ہے۔
آگے فرمایا کہ اے نبی!
وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ ۔
صبر کیجئے، تحمل کیجئے، ان کے استہزا پر ان کے انکار پر، ان کی تکذیب پر اور اپنے رب کی تسبیح کیا کیجئے۔ اسی میں آپ کے لئے تسکین ہے سکون قلب ہے۔ اور آخر میں فرمایا:
فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ہ
جس کے دل میں ذرا سا بھی خوف ہے اللہ کا، جس کے دل میں ذرا سا بھی آخرت کا خیال اور خوف ہے اس کے لئے اس قرآن سے نصیحت اور تذکیر کا اہتمام فرماتے رہیئے، یہاں یہ بات واضح طور پر بطور اٹل اصول بیان کر دی گئی کہ تذکیر اور نصیحت کا اصل ذریعہ قرآن مجید ہے۔ فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ہ
اس طرح اس سورہ مبارکہ کا اول و آخر ایک دوسرے کے بالکل مشابہ ہو گئے۔ قٓ ہ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ہ سے اس کا آغاز ہوا اور فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ہ پر اس کا اختتام ہوا۔
اللہ تعالے ہمیں قرآن حکیم سے صحیح طور پر استفادے کی سعادت عطا فرمائے! اور اس سے سبق حاصل کرنے اور نصیحت اخذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
بارک اللہ لی ولکم فی القرآن الحکیم و نفعنی وایاکم بالایات والذکر الحکیم ہ

از قلم : پروفیسر مرزا محمد منوّر

علّامہ اقبال اور کتابِ زندہ

—— : گذشتہ سے پیوستہ : ——

اسلام، قرآن، رسولؐ، امت، نہ کسی خاص علاقے کے لیے ہیں، اور نہ کسی خاص نسل کے لیے، حضورؐ کا ارشاد ہے : " اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہ " (تمام اولادِ آدم اللہ کا کنبہ ہے) سب ایک برادری ہے، پھر اگر برادری سچ مچ برادری ہے تو کوئی کسی سے از روئے قانونِ اسلام بڑا نہیں، کسی کو خصوصی مراعات حاصل نہیں۔ کوئی ساقط الحقوق، کوئی بالائے قانون نہیں اور بقول ریوبن لیوی

" سربراہِ مملکت بھی قانون کا پابند تھا، اس کے لیے کوئی خصوصی رعایت نہ تھی " [۱]

زندگی کے مسائل میں کسی کے لیے قومی، نسلی، اور مالی اعتبار سے یا معاشرے میں منصب اور اختیار کی رو سے کوئی اختصاص نہ تھا، وہ مسائل تجارت سے متعلق تھے، زراعت سے، تعلیم سے، صحتِ عامہ سے، مزدوری سے، خواہ جرم و سزا سے قانونِ اسلام کے روبرو سب برابر ——

قرآن کو غور و تامّل سے پڑھنا اور سمجھنا فقہ کہلاتا ہے اور جو شخص اس ضمن میں صاحبِ فضیلت علم ہو اسے فقیہہ کہتے ہیں — اصطلاحاً قرآن و سنّت کی روشنی میں حقوق کا تعین کرنے والا، آئین و دستور مرتب کرنے والا، اور اس بارے میں دوسروں کا بار اٹھانے والا، معلّم اور مفتی اور قاضی سب فقیہہ، اور ایک بات بالکل عیاں ہے کہ فرد کا ذاتی اخلاق اور ایک مخصوص مومنانہ رویّہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قرآن اور سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم رگ و پے میں نہ اُترے —— حضورؐ کا اپنا اخلاق فعّال اور زندہ قرآن تھا۔ حضرت عائشہ

---

[۱] 'SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM' ص ۲۹۵

حذیفہ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرمؐ کا اخلاق کیا تھا تو انہوں نے جواب دیا" کَانَ خُلُقُہٗ القرآن" (آپؐ کا اخلاق و کردار عین قرآن تھا)۔—

علامہ اقبال نے قرآن کو "کتابِ زندہ" اسی وجہ سے قرار دیا ہے کہ وہ آدم کی زندگی پر اثر انداز ہو کر اسے بہتر سے بہتر آدم بناتا چلا جاتا ہے۔ یہ اثر ایک خاص زمانے کے بنو آدم تک محدود نہیں، قرآن کو قیامت تک یہ فریضہ سرانجام دینا ہے۔ لیکن جملہ انقلابات و تحولات، اور تصورات اور تغیرات کے باوصف قرآن کو بنیادی اور اصولی راہیں سمجھانا ہیں، لہٰذا قدرتی بات ہے کہ فقہ جس کا اساسی اور اوّلین مصدر قرآن ہے مقفل نہیں ہو سکتی، ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کسی بھی ارتقائی پیچیدگی یا اضطراب کے عالم میں قرآن سے تعلق توڑ نہیں سکتی۔ حضرتِ علامہ اس باب میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:—

" لیکن اس سلسلے میں غور طلب امر قرآنِ مجید کا وہ مطمحِ نظر ہے جو اس نے زندگی کے بارے میں قائم کیا اور جس میں اس کی نگاہیں جمود کے بجائے حرکت پر ہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جس کتاب کا مطمحِ نظر ایسا ہوگا، اس کی روش ارتقاء کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے؟ البتہ ہمیں نہیں بھولنا چاہیئے تو یہ کہ زندگی محض تغیر ہی نہیں، اس میں حفظ و ثبات کا ایک عنصر بھی موجود ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ انسان جب اپنی تخلیقی فعالیت سے لطف اندوز ہوتا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی کے نئے نئے جلووں کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنے انکشافِ ذات سے آپ ہی بے چین ہو جاتا ہے، لہٰذا اس ہر لحظہ آگے ہی آگے بڑھنے والی حرکت میں اپنے ماضی کو نظر انداز نہیں کر سکتا" [۱]

حضرتِ علامہ فقہا کی محنت و کاوش کی داد دیتے ہیں کہتے ہیں:—

" . . . . جن حضرات نے تاریخِ اسلام کا مطالعہ کیا ہے، خوب جانتے ہیں کہ بلحاظ ایک نظامِ مدنیت اور سیاست، اسلام نے جو کامیابی

---

[۱] تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ۔ ص ۲۵۷۔
ایضاً ص ۲۵۹

حاصل کی ہے اس کا تقریباً نصف حصہ ہمارے فقہا کی ذہانت اور فطانت کا مرہونِ منت ہے۔ فان کریمر (VON KREAMER) لکھتا ہے " رومیوں کے بعد عرب ہی وہ قوم ہیں جو اس امر کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس اپنا ایک مخصوص اور بڑی خوبی اور محنت سے تیار کیا ہوا قانون موجود ہے۔"

مگر فقہائے ماضی کو اس طرح داد دینے کے باوصف وہ یہ ماننے کو بالکل تیار نہیں کہ اب فقہ میں مزید ترقی ممکن نہیں، چنانچہ سطور داد و تحسین کے ساتھ ہی کہتے ہیں:۔

" لیکن اس ساری جامعیت اور ہمہ گیری کے باوجود ہمارے نظاماتِ فقہ بالآخر افراد ہی کی ذاتی تعبیرات کا نتیجہ ہیں اور اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان پر قانون کے نشو و نما کا خاتمہ ہو چکا ہے۔"

پھر اسی ضمن میں چند سطور آگے چل کے فرمایا۔

" ائمہ مذاہب کا کیا یہی دعویٰ تھا کہ ان کے استدلال اور تعبیرات حرفِ آخر ہیں؟ ہرگز نہیں —— اندریں صورت مسلمانوں کا آزاد خیال طبقہ اگر اس امر کا دعویٰ دار ہے کہ اسے اپنے تجربات، زندگی کے بدلتے ہوئے احوال و ظروف کے پیشِ نظر فقہ و قانون کے بنیادی اصولوں کی از سرِ نو تعبیر کا حق پہنچتا ہے تو میرے نزدیک یہ کوئی ایسی بات نہیں جو غلط ہو۔ قرآنِ پاک کا یہ ارشاد کہ زندگی ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے بجائے خود اس امر کا مقتضی ہے کہ مسلمانوں کی ہر نسل اسلاف کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسائل آپ حل کرے، یہ نہیں کہ اپنے لیے روک تصوّر کرے" [۱]

بہر حال فقہی مسائل کا زیادہ تر تعلق معاشرے سے ہے بلکہ معاشروں سے، دنیا روز بروز زمانی اعتبار سے سکڑ رہی ہے لہٰذا مکانی بُعد بھی کم ہو رہا ہے۔ دنیا کوئی معاشرہ دوسرے معاشروں سے الگ تھلگ نہیں رہ گیا اور نہ رہ سکتا ہے

---

[۱] تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ص ۲۹

بالفاظِ دیگر یہ کہ فقہِ اسلامی کا دائرہ وہاں وہاں تک اثر انداز ہونا چاہیئے جہاں جہاں مسلمان کسی بھی حیثیت واثر کا مالک ہے۔ اس لیے کہ اب تجارت و تعلیم، صلح و جنگ، حریف و حلیف وغیرہ کی نوعیت کچھ سے کچھ ہوتی جا رہی ہے۔ لمبے سفر میں جو کسی اور جگہ کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور کسی اور جگہ کے وقت پر ختم ہوتا ہے، راستے میں طلوع و غروب کے وہ اوقات نہیں رہتے۔ مثلاً روزے دار اپنے گھر سے چلتا ہے۔ اپنے مقامی وقت کے حساب اور سورج کی ایک مخصوص منزل کے عالم میں، گردہاں وہاں پہنچتا ہے جہاں اوقات بھی بدلتے ہیں اور طلوع و غروب کی منزلیں بھی کچھ کا کچھ منظر دکھاتی ہیں۔ لہٰذا کوئی صورت وقت اور گھنٹوں کے اوسط سے مقرر ہونی چاہئے۔ جیسے ایسے علاقوں میں ہوگا جہاں راتیں کئی کئی دنوں بلکہ ہفتوں کی ہیں۔
یہ تو محض ایک ننھی سی مثال تھی۔ غرض یہ کہ بڑھتی ہوئی بین الاقوامیت اور سکڑتی ہوئی کائنات میں پیچیدہ تر صورت اختیار کرنے والے معاملات و مسائل کا مقابلہ کرنے کے لیے اہلِ نظر فقہا کو تیار رہنا چاہیئے۔ حضرتِ علامہ کے آرا ادپہ بیان ہو چکے ہیں۔ ان کا ایمان یہ ہے کہ قرآن مصدرِ اوّل کی حیثیت سے پیشِ نظر رکھنے اور چراغِ سنّت کی روشنی میں دیکھنے اور قیاس کے وسیع اور جرأت بخش جوہر کا سہارا لینے سے ہر نئے مسئلے کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر قیاس کا معنیٰ ہی کیا ہے!

حضرت مُعاذ بن جَبَل رضؓ کو جب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یمن کی حکومت سپرد فرمائی تو استفسار فرمایا کہ تم امور و معاملات کے فیصلے کیونکر کرو گے؟ عرض کیا، قرآن کی روشنی میں، پھر استفسار ہوا اگر قرآن میں اپنا مطلب نہ پاؤ تو؟ عرض کیا آپؐ کے عمل سے مدد لوں گا، فرمایا اگر میرے عمل میں بھی وہ معاملہ نہ ملے؟ عرض کیا پھر اپنی دانست سے کام لوں گا۔ اس جواب پر حضور نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اظہارِ اطمینان و خوشنودی فرمایا۔

واضح رہے کہ فقہ کا اثر بیشتر ان معاملات پر پڑتا ہے جن کا تعلق معاشرے سے ہے۔ انسان معاشرے کا ایک فرد ہے۔ معاشرتی اور اجتماعی زندگی سے ہٹ کر اور کٹ کر کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔ اس لیے اس کی اپنی روش بھی معاشرے کے مطابق اثر پذیر اور اثر انداز ہوتی ہے۔ تاہم اس کی اپنی ذات کی بھی ایک "فقہ" ہے۔ وہ اس کی ذاتی، روحانی، اور عملی فقہ ہے جسے ہم اخلاق کہتے ہیں۔ معاشرتی اور انفرادی

اخلاق کے مابین حدِ فاصل بظاہر کوئی نہیں اس لیے کہ فرد اگر اکیلا ہے تو اسے اخلاق کی ضرورت ہی نہیں۔ اخلاق کی گنجائش ہی وہاں نمودار ہوتی ہے جہاں فرد کا دوسرے افراد سے رابطہ اور معاملہ شروع ہوتا ہے، جہاں فرد کو اپنے اور دوسرے کے حقوق و فرائض سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس کی جواب دہی دو جگہ ہوتی ہے۔ ایک معاشرے میں مروّج قانون کی عدالت میں اور دوسرے اللہ کے حضور میں، اس کے قانونی جرائم بھی اکثر و بیشتر یہاں گناہ قرار پاتے ہیں۔ اس لیے کہ اسلامی قانون قرآن اور سنت ہی پر مبنی ہے۔ گویا ہر عدالتی، انتظامی اور تجارتی و معاشی ضابطہ و قاعدہ جس اساس پر استوار ہے وہ دین ہے، یہی باعث ہے کہ دینی اور قانونی امور میں بڑا قریبی رشتہ ہے [1]

ایک شخص جان بوجھ کر ٹریفک کے ضوابط کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جرمانے یا قید کی سزا بھگتتا ہے۔ اگر وہ مسلمان ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس نے جان بوجھ کر قانون کی جو خلاف ورزی کی ہے تو گویا دوسروں کی پریشانی، اذیت یا کم از کم گمراہی کا باعث بنا ہے۔ یہ عمل خدا کی عدالت میں گناہ ہے، خواہ اس کا درجہ کتنا ہی کمتر ہو۔ مومن کی عدالت ایک نہیں ہوتی، جواب دہی بھی ایک نہیں ہوتی۔ اس کا ظاہری اخلاق صحیح معنوں میں اخلاق جبھی بنتا ہے جب اس کا باطنی اخلاق بھی صحیح ہو۔ بقول حضرت ابو سعید الخراز "کُلُّ بَاطِنٍ یُخَالِفُهُ ظَاهِرٌ فَهُوَ بَاطِلٌ" [2] (جس باطن کا ظاہر اس کی مخالفت کرے وہ باطن باطل ہے) ظاہری اور باطنی ہم آہنگی کے بغیر انسان بطیبِ خاطر بھلا اور اچھا آدمی نہیں بن سکتا۔ بھلائی اس کا مزاج اور طبیعت قرار نہیں پاتی۔ اس کا جرائم اور گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب محض قانون کی گرفت کا خوف ہے۔ خدا کی خوشنودی اور ضمیر و قلب کا اطمینان ہرگز مقصود نہیں لہٰذا ایسا شخص ہمیشہ محفوظ مواقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور پھر مواقع محفوظ میسر آجائیں تو چوکتا بھی نہیں ـــ "مصنوعی عزت و عظمت کا پیراہن مقاماتِ ہوس کی کشش کے حضور میں ستر و حجاب ثابت نہیں ہوگا۔ یہ پیراہن بڑی آسانی سے تار تار ہو کر اتر جاتا ہے۔ لہٰذا اخلاق کی اصل اور اساس روح کی پاکیزگی ہے جس کا ساف

---

[1] H. A. R. GIBB. MOHAMMADANISM (O.U.P. 1961) 30

[2] عوارف المعارف، عبدالقاہر بن عبداللہ ص ۵۰۔

مطلب یہ ہے کہ اسلام کسی پرائیویٹ اور پبلک لائف کے امتیاز و تفاوت کا قائل نہیں۔ کتب حدیث میں آیا ہے کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔[۱]

"میں بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔"

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کی روح اخلاقی تربیت و تعلیم ہے اور آدمی کو بہر معنیٰ بہتر سے بہتر آدمی بنانا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض کا قول پہلے گذر چکا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ حضورؐ کا اخلاق سر بسر قرآن تھا" کان خلقه القرآن" اب بات یوں بنی کہ مسلمان کے لیے بہترین نمونہ حضورؐ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اور حضورؐ کا اسوۂ حسنہ قرآن کے آئینے میں جھلک رہا ہے، گویا مومن جوں جوں حضورؐ کا زیادہ اتباع کرتا ہے، توں توں وہ قرآن بنتا چلا جاتا ہے۔ اگر وہ قرآنی اخلاق سے محروم ہو تو بظاہر وہ کچھ بھی ہو اس کے ضمیر و بطون کے باب میں اطمینان بالعموم ناممکن ہو گا۔ بقول حضرت علامہ ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن — گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے — دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

یہ تو ظاہر و عیاں ہے کہ قرآن کسی خاص قوم یا نسل یا علاقے کے لیے نہیں آیا، لہٰذا قرآنی اخلاق اور قرآنی آداب تربیت بھی بین الانسانی ہیں، اور اس کا مقصود انسان کی انفرادی اور اجتماعی بھلائی ہے۔ چنانچہ ہر وہ علم، ہر وہ رسم، ہر وہ مسلک جو انسان کی بہتری کا باعث بنے وہ سب خیر ہے اور وہ سب اسلام ہے، مگر کسوٹی اور میزان پھر قرآن اور سنت ہوں گے، ایک اخلاق وہ ہے جو معاشرے کی مصلحت کہا جاتا ہے۔ اگر وہ قرآن کے واضح ارشادات بلکہ قرآنی تعلیمات کی روح سے ٹکراتا ہے تو وہ کوئی مصلحت نہیں۔ اس میں لازماً کوئی مضرت پوشیدہ ہے مصلحت کسی نفع عاجل کا باعث ہو سکتی ہے یا دکھائی دے سکتی ہے مگر یقیناً آگے چل کے کسی بڑے اور پائدار نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ لہٰذا ہر مزعومہ مصلحت کو بھی قرآن ہی کی روشنی میں دیکھنا ہو گا۔[۲] (جاری ہے)

---

[۱] "فیض القدیر" (مکتبہ مصطفیٰ البابی، مصر) ص ۱۱۵ جلد دوم۔

[۲] حقائق الاسلام و اباطیل خصومہ، از عباس محمود العقاد (بیروت، دار الکتاب العربی) ص ۱۳۱

مقامِ صدّیقی رضؓ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنے ہفتہ وار "الہلال" میں غازی انور پاشا مرحوم کی تصویر کی پیشانی پر یہ شعر لکھا تھا ؎

ترا، چنانکہ توئی، مردماں کجا دانند
بقدرِ طاقت خود، می کنند استدراک

میں یہی شعر حضرت صدیقِ اکبرؓ کے مقام کو واضح کرنے کے لئے لکھتا ہوں۔ ہم ظاہر بین لوگ، حضرت موصوف کے ظاہری کمالات کا تو کچھ اندازہ کر سکتے ہیں ــــ آپ کی سیرتِ مبارکہ کے مطالعے کے بعد ــــ لیکن آپؓ کے مقام یا کمالاتِ روحانی کا اندازہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لئے میں اس مضمون میں صرف آپؓ کے ظاہری کمالات کی ایک جھلک دکھانے پر اکتفا کروں گا کیونکہ تفصیل کے لئے تو پوری کتاب لکھنی پڑے گی۔

○

سرکارِ دوعالمؐ فرماتے ہیں "میرے دو وزیر آسمان میں ہیں ــــ حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ ــــ اور دو وزیر زمین میں ہیں ــــ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ــــ یہ دونوں میری زندگی میں میرے ساتھ رہیں گے۔ بعدِ وفات میرے ساتھ مدفون ہوں گے، قیامت میں میرے ساتھ اٹھیں گے اور میرے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔"

(۲) حضرت صدیقِ اکبرؓ میں عقل اور عشق دونوں بنیادی انسانی قوتوں کا اجتماع تھا مگر عشق کا جذبہ، عقل پر غالب تھا۔ اسی لئے آپؓ نے اپنی خلافت کے ۲۷ ماہ میں وہ کارنامہ انجام دیا جو دوسرا حکمران ۲۷ سال میں بھی انجام نہیں دے

سکتا تھا۔ چنانچہ سیدۃ نساء العالمین اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ "آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد میرے والد بزرگوارؓ پر مشکلات اور پریشانیوں کا ایسا پہاڑ ٹوٹ پڑا کہ اگر کسی دوسرے پر ٹوٹتا تو وہ چکنا چور ہو جاتا مگر اللہ کے فضل و کرم سے میرے پدر رفیع المنزلتؓ نے عشقِ رسولؐ کی بدولت ایک سال کے اندر اندر تمام بغاوتوں کو فرو کر دیا۔ اور اسلام کو دوبارہ زندہ کر دیا اور مستحکم کر دیا"۔

اس کی تائید، سر ولیم میور کے اس قول سے ہو سکتی ہے کہ "بلاشبہ محمد (صلعم) کے بعد اسلام ابوبکرؓ کا سب سے زیادہ ممنون ہے"۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا "اگر ابوبکرؓ اپنی قوتِ ایمانی کا مظاہرہ نہ کرتے تو اسلام ختم ہو جاتا" (انہوں نے اسلام کو حیاتِ نو بخشی)

جب بعض صحابہؓ نے آپؓ کو یہ مشورہ دیا کہ مانعین زکوٰۃ سے نرمی کا برتاؤ کیجئے تو آپؓ نے پوری ایمانی قوت سے یہ غیر فانی جملہ ارشاد فرمایا:

"کیا یہ ممکن ...... ہے کہ میری زندگی میں، احکامِ شرع میں کسی قسم کی کمی ہو سکے! خدا کی قسم! زکوٰۃ تو بڑی چیز ہے اگر انہوں نے زکوٰۃ کے اونٹ کے گلے کی رسّی روک لی (دینے سے انکار کر دیا) تو بھی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا اور اگر تم لوگ میرا ساتھ نہیں دو گے تو میں تن تنہا جہاد کروں گا"۔

یہ جملہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جو فَنَا فِی اللّٰہ کی منزل طے کر چکا ہو۔

فافہم و تدبّر!

بلاشبہ صدیقِ اکبرؓ کے اس ایک جملے میں ان کی پوری شخصیت اور پوری زندگی، دونوں چیزیں جھلک رہی ہیں۔ اسلام لانے کے بعد تا دمِ وفات وہؓ اسی عشقِ رسولؐ میں سرشار رہے۔ بلاشبہ انہوںؓ نے اپنی پوری شخصیت اور پوری زندگی آنحضرت صلعم اور اسلام کی محبت میں فنا کر دی تھی اور اس طرح آپؓ فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو گئے ۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالَم دوامِ ما

کمالِ طریقت کے لئے جس قدر اوصاف ضروری ہیں مثلاً زہد و توکّل، ورع و استقامت، صبر و شکر، تواضع، انکساری، خاکساری، عاجزی، رقّت و رافت، فقر و توکّل وغیرہم یہ سب اوصافِ عالیہ حضرت صدیق اکبرؓ میں فطری طور پر موجود تھے۔ نیز قبولِ حق کی صلاحیت اور صدق وصفا سے مناسبت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اِدھر آنحضرت صلعم نے ان پر اسلام پیش کیا اُدھر انہوں نے صدق دل سے قبول کر لیا۔ ایک سیکنڈ کے لئے بھی تامّل نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہیں مقام نبوّت سے فطری مناسبت تھی اور کمالاتِ نبوّت کا عکس آپؓ کے قلب مصفّٰی پر شروع ہی سے پڑ رہا تھا۔

آنحضرت صلعم نے جو یہ فرمایا کہ کُوْنُوْا رَبَّانِیِّیْن یعنی ربّانی ہو جاؤ تو حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ ابوبکرؓ کی طرح ہو جاؤ۔ اس کی شرح یہ ہے کہ ربّانی وہ شخص ہے جسے کوئی حادثہ مقام توحید سے متزلزل نہ کر سکے۔ اگر ساری دنیا زیر و زبر ہو جائے تو بھی اس کے اطمینانِ قلب میں کوئی کمی واقع نہ ہو اور یہ صفت صرف موحّدِ خالص ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس صفت کا مظاہرہ آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت ہوا جب اکثر صحابہؓ پریشان ہو گئے، اکثر صحابہؓ پر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔

اُس وقت صرف صدیق اکبرؓ ایسے تھے جنہوں نے کامل یقین کے ساتھ صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

> "اے لوگو! تم میں سے جو شخص (حضرت) محمد (صلعم) کی عبادت کرتا رہا ہے اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد (صلعم) یقیناً وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا رہا ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ بلاشبہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ بس تم دین کی خدمت میں مصروف ہو جاؤ"

پھر آپؓ نے یہ آیت پڑھی "مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ...الخ

شیخ ہجویریؒ اپنی تصنیف کشف المحجوب میں لکھتے ہیں " تصوّف کی اصل (بنیاد) انقطاع عن الاغیار (غیروں سے قطع تعلق کرنا ہے) اور اس کی فرع، دنیا سے دل کا بے تعلق بلکہ خالی ہو جانا ہے" اور یہ دونوں باتیں حضرت صدیق اکبرؓ میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ اس لئے آپؓ بلاشبہ تمام اہلِ طریقت کے امام ہیں۔

یہی بات شیخ ابونصر سراجؒ نے اپنی قیمتی تصنیف " کتاب اللّمع " میں لکھی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ بلاشک " امام الاولیاءؒ ہیں[۱]۔

حضرت عبداللہ المزنیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اس لئے افضلُ الصحابہؓ تھے کہ اللہ کی محبّت ان کے دل کے ریشے ریشے میں سما گئی تھی۔ وہ بلاشبہ اسلام لانے کے بعد ساری عمر اللہ ہی کے لئے زندہ رہے اور اللہ ہی کے لئے وفات پائی۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم فرماتے ہیں۔

" اگر مردے کو زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہتے ہو تو ابوبکرؓ کو دیکھ لو"

بلاشبہ آپؓ کا اصلی اور حقیقی سرمایہ، عشقِ رسولؐ ہی تھا۔ اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلعم سے ایک دن کے لئے بھی جدا نہیں ہوئے۔ حضورؐ کو آپؓ سے اس قدر قلبی رابطہ تھا کہ اُمّ المؤمنین حضرت صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ حضورؐ بلاناغہ دونوں وقت (صبح وشام) ہمارے گھر میرے والدِ بزرگوار سے ملنے آیا کرتے تھے۔ اس دستور میں کبھی ناغہ نہیں ہوا"

یہ اسی عشقِ رسولؐ کا کرشمہ تھا کہ صدّیقِ اکبرؓ نے اپنی ساری دولت سرکارِ دو عالمؐ کے قدموں میں نثار کر دی۔ جب آپؓ اسلام لائے تو آپؓ کے پاس چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے۔ لیکن جب آپؓ کو حضورؐ کی معیّت میں ہجرت کا شرف حاصل ہوا تو اس وقت صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے جو آپؓ نے اپنے ساتھ لے لئے۔ اور گھر والوں کے لئے ایک درہم بھی نہیں چھوڑا۔ اللہ اکبر!

---

[۱] میں نے اس ارشاد کو اس شعر میں نظم کر دیا ہے ؎

ریاضِ خُلد کے یکتا گُلِ تَر
امامُ الاولیاء صدیق اکبرؓ

صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کی محبت میں شدید ترین جسمانی ایذائیں برداشت کیں اور یہ مصیبت صرف ایک عاشق ہی جھیل سکتا ہے۔

دورانِ خلافت جس قدر وظیفہ بیت المال سے لیا تھا، وفات سے ایک دن پہلے وہ سب واپس کر دیا۔ اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اس ایثار کا!!

اسی لئے فاروق اعظمؓ نے فرمایا:۔

"اے ابوبکرؓ! تم نے اپنے جانشین کے لئے کارِ خلافت کو بیحد دشوار کر دیا۔ تمہارے معیار پر کون پورا اتر سکتا ہے!"

خلیفہ ہونے سے پہلے آپؓ ایک نابینا ضعیفہ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جب اس ضعیفہ نے سنا کہ آپؓ خلیفہ منتخب ہو گئے ہیں تو اس نے افسوس کے لہجے میں کہا "اب میری خدمت کون کیا کرے گا! اے اللہ! میرے حالِ زار پر رحم فرما"

جب یہ اطلاع آپؓ کو پہونچی تو فرمایا "جاؤ اس ضعیفہ سے کہدو کہ "ابوبکرؓ کو کوئی چیز تمہاری خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی۔ میں بدستور تمہاری خدمت کرتا رہوں گا۔"

جب عقبہ ابن ابی معیط نے خانۂ کعبہ میں اوجھڑی حضورؐ کے سر پر رکھ دی اور آپؐ کا گلا گھونٹنا شروع کیا تو کسی نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی کہ تمہارے دوست پر یہ ظلم ہو رہا ہے۔ یہ سنتے ہی آپؓ خانہ کعبہ میں آئے اور لوگوں سے کہا "کیا تم ایک اللہ کے بندے کو اس وجہ سے قتل کر دوگے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ اس پر کفار نے آپؓ کو مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب آپؓ کے رشتہ داروں کو اطلاع ہوئی تو وہ آپؓ کو گھر لے گئے۔ دوسرے دن آپؓ کو ہوش آیا تو عزیزوں نے پوچھا کیا حال ہے؟ اس کے جواب میں عاشق رسولؐ نے پوچھا رسول اللہؐ کا کیا حال ہے؟ یہ سن کر آپؓ کے رشتے دار ناراض ہو کر اپنے گھر چلے گئے۔

آپؓ کی زوجہ نے کہا ذرا سا شوربہ پی لیجئے تاکہ آپؓ میں کچھ طاقت آجائے" مگر عاشقِ رسولؐ نے کہا "پہلے مجھے حضور انورؐ کی خدمت میں لے چلو۔ جب تک۔

میں ان کے دیدار فرحت آثار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہیں کر لوں گا نہ کچھ کھاؤنگا نہ پیوں گا۔ چنانچہ آپؓ کی زوجہ آپؓ کو حضورؐ کی خدمت میں لے گئیں اور جب آپؓ نے حضورؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو کچھ کھایا پیا۔

آپؓ اسلام لانے سے پہلے بھی شراب، زنا اور قمار سے مجتنب رہے۔ حالانکہ یہ تینوں باتیں عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں۔

آپؓ کی خُصوصیات

۱۔ مَردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

۲۔ سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ کی۔

۳۔ عشرۂ مبشرہ میں سے چھ حضرات آپؓ ہی کی تبلیغ سے اسلام لائے: حضرات عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور ابو عبیدہ ابن الجراحؓ

۴۔ آپؓ ہی نے سب سے پہلے مسلماں غلاموں کو کافروں سے خرید کر اللہ کے لئے آزاد کیا۔

۵۔ آپؓ ہی نے سب سے پہلے اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کی۔

۶۔ آپؓ ہی نے سب سے پہلے اسلام کی راہ میں ایذائیں برداشت کیں۔

۷۔ آپؓ ہی نے سب سے پہلے راہِ خدا میں ہجرت کی۔

۸۔ آپؓ ہی نے سب سے پہلے واقعۂ معراج کی تصدیق کی۔

۹۔ آپؓ ہی نے سب سے پہلے مسجد بنائی۔

۱۰۔ سفر طائف کے علاوہ ہر سفر میں حضورؐ کے ساتھ رہے۔

۱۱۔ ہجرت کے موقع پر صرف آپؓ کو رفاقتِ رسولؐ کا لازوال شرف حاصل ہوا اور غارِ ثور میں معیتِ رسولؐ کا غیر فانی اعزاز حاصل ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا " لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا "

۱۲۔ اللہ نے " ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ کا لقب عطا فرمایا جس کی تلاوت قیامت تک ہوتی رہے گی۔

۱۳ - آپؓ کی صحابیت کا انکار کفر ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے " اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ "

۱۴ - مدینے میں پہلی مسجد کی زمین صدیقِ اکبرؓ ہی نے خرید کر وقف کی تھی۔

۱۵ - جنگ بدر سے پہلے عریش میں ساری رات حضورؐ کی حفاظت کی اور آخر شب میں جب حضورؐ مصروفِ دعا تھے، حضورؐ کو تسلی دی کہ آپؐ تسلی رکھیں اللہ نے آپؐ کی دعا قبول کر لی ہے۔

۱۶ - مہم تبوک کے موقع پر سارا اثاث البیت حضورؐ کے قدموں میں لا کر رکھ دیا اور جب حضورؐ نے پوچھا "اے ابوبکر! اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟" تو عاشقِ صادق نے جو جواب دیا وہ قیامت تک یادگار اور عدیم المثال رہے گا " اللہ و رسولہ "

۱۷ - حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں امیر الحج کا شرف حاصل کیا۔

۱۸ - حضورؐ کے مرض الموت میں آپؐ کی جگہ صدیق اکبرؓ نے امامت فرمائی۔ حضورؐ نے فرمایا " اللہ اور اس کے فرشتے اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ابوبکرؓ زندہ ہوں اور ان کے علاوہ کوئی اور شخص مسلمانوں کا امام بن جائے

(چنانچہ اکثر عرفاء کا خیال ہے کہ اس طرح حضورؐ نے صدیق اکبرؓ کی آئندہ خلافت کی طرف اشارہ کر دیا)

۱۹ - حضورؐ نے اپنی آخری نماز صدیق اکبرؓ کی اقتداء میں پڑھ کر اُنؓ کی عظمت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

۲۰ - حضورؐ کی زندگی میں آپ نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔ اسی لئے حضرت علیؓ نے کوفہ کی جامع مسجد میں شیعانِ علیؓ سے کہا " نماز دین کا ستون ہے جب حضورؐ کے حکم سے ہم نے دین میں انہیں اپنا امام تسلیم کر لیا تو دنیاوی معاملات (خلافت) میں بھی بخوشی ان کو اپنا امام (خلیفۃ الرسولؐ) تسلیم کر لیا "

۲۱ - حضورؐ نے فرمایا " مجھے کسی شخص کے مال نے اس قدر نفع نہیں پہنچایا جس قدر ابوبکرؓ کے مال نے پہنچایا "

۲۲ ۔ حضورؐ نے فرمایا "میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ اتار دیا لیکن ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکا اس لئے میں نے اللہ تعٰ سے دعا کی ہے کہ وہ ابوبکرؓ کو ان احسانات کی جزا دے۔"

۲۳ ۔ حضورؐ نے اپنی وفات سے چند روز پہلے فرمایا "ابوبکرؓ کی کھڑکی کے سوا باقی سب صحابہ کی کھڑکیاں بند کر دی جائیں جو مسجد نبوی میں کھلتی ہیں"

۲۴ ۔ صدیق اکبرؓ نے خلیفہ ہو کر دنیا کو پہلا سیاسی منشورِ حریت و اخوت و مساوات عطا فرمایا۔

۲۵ ۔ فتنۂ ارتداد کا استیصال کر کے اسلام کو دوبارہ زندہ کر دیا اور مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا۔

۲۶ ۔ قرآن مجید کو کتاب کی صورت میں جمع کر کے امت پر احسانِ عظیم فرمایا۔

۲۷ ۔ سوا دو سال میں جس قدر وظیفہ بیت المال سے وصول کیا تھا، وفات سے دو دن پہلے سب واپس کر دیا۔

۲۸ ۔ جب صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ فی الحال مدینے کی حفاظت ضروری ہے اس لئے جیشِ اسامہ کی روانگی ملتوی کر دی جائے تو عاشقِ رسولؐ نے فرمایا "جب تک دم میں دم ہے میں سرکارؐ کے حکم کو ملتوی نہیں کر سکتا جیشِ اسامہؓ ضرور جائے گا خواہ مجھے اور مدینے کے باشندوں کو درندے کیوں نہ اٹھا لے جائیں۔"

۲۹ ۔ وفات سے قبل اپنی لختِ جگر ام المؤمنینؓ سے فرمایا "مجھے پرانے کپڑوں میں دفن کرنا۔ نیا کپڑا زندوں کے لئے زیادہ کارآمد ہے اور حضورؐ کی طرح مجھے بھی تین پارچوں کا کفن دیا جائے۔"

۳۰ ۔ زہد کا کمال دکھا دیا یعنی بوقتِ وفات حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ایک درہم بھی نہیں تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء کے پہلے مقصد میں لکھتے ہیں "امت میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا جوہرِ نفس، انبیاءؑ کے جوہر کے قریب مخلوق ہوتا ہے ــــ کیونکہ اللہ ان سے وہی کام لیتا ہے جو انبیاء سے لیتا ہے ــ

یہ لوگ پوری امت میں انبیاء کے خلفاء ہوتے ہیں اور ان کی مثال اس آئینے کی سی ہوتی ہے جو آفتاب سے براہِ راست اثر قبول کرتا ہے۔

ایسے لوگ حاصلِ امت ہوتے ہیں اور وہ حضورؐ سے اس طرح فیضیاب ہوتے ہیں جس طرح دوسرے نہیں ہو سکتے۔

پس خلافتِ خاصہ (جس پر صدیق اکبرؓ فائز تھے) یہ ہے کہ آپؓ جس طرح ظاہراً رئیس امت (خلیفۂ رسولؐ) تھے اسی طرح باطناً بھی سردارِ امت تھے۔ اسی روحانی طاقت کی بدولت آپؓ ان کاموں کی تکمیل کر سکے جن کو سرانجام دینے سے پہلے حضور انور صلعم بحکم ایزدی اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

اس مضمون کے راقم آثم کی رائے میں حضرت صدیق اکبرؓ کی سب سے بڑی خصوصیت یا فضیلت یہ ہے کہ آپؓ بلاشبہ سرکار دوعالم صلعم کا ضمیر بھی تھے، آپؓ کی مرضی بھی تھے، آپؓ کی قوتِ ارادی بھی تھے۔ اور آپؐ کے دست و بازو بھی تھے۔ جو امور قرآن مجید میں آپؐ کے حصے میں لکھے ہوئے ہیں وہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھوں سے انجام پذیر ہوئے۔ بالفاظِ دیگر آپؓ شریکِ فرائض نبوت ہیں۔

آخر میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشادِ عالی درج کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ

"حضرت صدیق اکبرؓ چونکہ ظلِّ حقیقتِ محمدی ہیں اس لئے تمام کمالاتِ نبوت بطریقِ تبعیت آپؓ کو بھی حاصل ہیں اور اس خصوصیت میں کوئی صحابی آپؓ کا شریک نہیں ہے۔"

ریاضِ خلد کے یکتا گلِ تر
امام الاولیاء صدیقِ اکبرؓ

(سلیم چشتی)

مولانا الطاف الرحمٰن بنوی (معلم قرآن اکیڈمی)

محمد رسول اللہ بحیثیت مزکّی و مطہّرِ امت

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

امابعد :-

قرآن حکیم میں متعدد جگہوں پر قرآن ہی کے لئے نور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مثلاً سورۃ نساء آیت ۱۷۴ میں باری تعالٰی کا ارشاد ہے -

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ہ اے لوگو! تحقیق آیا ہے تمہارے پاس برہان تمہارے رب کی جانب سے اور ہم نے نازل کیا تمہاری طرف نور ظاہر، اس طرح سے سورۃ اعراف آیت ۱۵۷ میں ارشاد ہوا، فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور قوت دی اس کو اور مدد کی اس کی اور پیروی کی اس نور کی کہ اتارا گیا ہے اس کے ساتھ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں -

تو جیسے قرآن پر نور یعنی روشنی کا اطلاق کیا گیا ہے اسی مفہوم میں نبی علیہ السلام کو بھی کلمہ نور سے یاد کیا گیا ہے مثلاً سورۃ مائدہ کی آیت ۱۵ قَدْ جَاءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ہ میں اگر کتاب مبین کو نور کا عطفِ تفسیری نہ کہا جائے تو یقیناً نور سے نبی علیہ السلام کی ذات ہی مراد ہو گی، اسی جگہ پر اس نور کی دنیا میں آمد کی غرض وغایت پر اس طرح سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ کہ اس نور اور کتاب کے ذریعے سے اللہ تعالٰی

ان لوگوں کو ہدایت فرماتا ہے جو رضائے حق کے طلبگار ہوں اور اپنی توفیق سے ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے، سورۃ احزاب آیات ۴۵، ۴۶ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا o وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا o میں آپ کے مقام و مرتبے کو اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ آپ کی حیثیت ایک روشن چراغ کی سی ہے جو خود بھی روشن اور پورے ماحول کو بھی روشن کرتا ہے - قرآن کریم نے نبی علیہ السّلام کے فرائض منصبی کے سلسلۂ ذکر میں تزکیۂ نفوس کو چار کا ایک بتلایا ہے چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۴ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ج وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o اور کئی دوسری جگہ پر اس کی صراحت موجود ہے - مگر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ تین یعنی تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کی غرض و غایت بھی انسانی صورت و سیرت کی شائستگی کا حصول ہے جس کے لئے تزکیہ کا جامع عنوان استعمال کیا گیا ہے - اس قرآنی مطالعے سے قدرتی طور پر نتیجہ خود بخود برآمد ہوتا ہے کہ تزکیہ و تطہیر ہی کے سلسلے میں جو آپ کی نبوّت کا سب سے بڑا اور اہم ترین مقصد ہے آپ خود نور بھی ہیں اور عالم کے لئے ذریعہ تنویر بھی-

مندرجہ بالا معروضات کے ساتھ نبی علیہ السّلام کا یہ ارشادِ گرامی بھی پیش نظر ہو کہ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ o کہ میری بعثت ہی اسی لئے ہوئی ہے کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کر لوں تو یہ بات دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصدِ وحید یہی ہے کہ انسانیت کو رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ کرنے کا مہتم بالشان کام سرانجام پائے- گویا قرآن و حدیث دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی جسمانی اور فکری نشو ونما یا بالفاظ دیگر اس کی مادی اور عقلی تکمیل کے بعد اس کے اصلی انسانی یعنی اخلاقی پہلو کی اصلاح و تعمیر کا انتہائی صبر آزما مرحلہ درپیش تھا - جس کیلئے ایک ایسے اولوالعزم معلّم کی ضرورت تھی جو عالمگیر انسانی معاشرت کے شایان شان

ایسی اخلاقی سیرت و کردار کا نمونہ قائم کرے جس کو تلاش آدم کے سلسلے میں انسان کی طویل ترین جدوجہد کا آخری نصب العین قرار دیا جا سکے - چنانچہ اس کے لئے آپ کی ذاتِ والا صفات کو چن لیا گیا - کیا عجب اگر صاحب جوامع الکلم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشاد میں محدثین کے بیان کردہ اس مشہور معہود مفہوم کے ساتھ تعمیر انسانیت کے ضمن میں نبی علیہ السّلام کی اس اتمامی اور تکمیلی حیثیت کی جانب بھی ایک رمز و اشارہ موجود ہو آپنے فرمایا -

ومثلی ومثل الانبیاء کمثل قصرٍ احسن بنیانہٗ وترك منہ موضعُ لبنۃٍ فطاف بہ النظار یتعجبون من حسن بنائہ الا موضع تلك اللبنۃ فکنت انا سددتُ موضع اللبنۃ ختم بی البنیان وختم بی الرسل، یعنی میری اور دوسرے انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک عمارت ہو جس کو نہایت خوبصورت ڈیل ڈول سے تیار کیا گیا ہو مگر اس میں ایک اینٹ کی کسر باقی رہ گئی ہو پس اس کا تماشہ کرنے والے ناظرین اس کے گرد چکر لگاتے ہیں اور اس کی دل آویزیوں سے محظوظ ہوتے ہیں مگر اس ایک اینٹ کی کسر ان کو بری طرح چبھتی ہے چنانچہ میں نے ہی اس ایک اینٹ کی کسر پوری کر دی میری ہی وجہ سے اس عمارت کی تکمیل ہوئی اور میری ہی ذات پر رسولوں کا خاتمہ ہوا - اس حدیث کے مرموز کی تطبیق ہمارے مدعا کے ساتھ یایں طور ہو گی کہ انسانِ کامل کی تعمیر کا سلسلہ سیدنا آدم علیہ السّلام سے شروع ہوا ہر ایک پیغمبر اور رسول نے آکر اسمیں اپنا وظیفہ ادا کر دیا تا آنکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتے پہنچتے اس کی تعمیر کے اکثر پہلو مکمل ہو چکے تھے ہاں اس کا ایک پہلو اور نہایت ہی اہم پہلو تکمیل طلب تھا چنانچہ خدا تعالےٰ کے آخری رسول محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر اس کی آخری اینٹ کو نصب کیا اور اس مہارت اور ہنر سے نصب کیا جس سے انسانی عمارت کا قدرتی حسن وجمال اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ پوری آب وتاب سے رونما ہوا اور واقعی معنوں میں داد وتحسین کا مستحق ٹھہرا -

معزز سامعین! تکمیل انسانی کے اس افضل واشرف کام کے لئے جس

ہستی کو مقرر کیا گیا اوّلاً اس کو خود تمام تر انسانی محاسن سے آراستہ کیا گیا۔
بمصداق حدیث الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ یعنی انسانی نسلیں زیر زمین چھپے ہوئے معدنی اقسام ہی کی طرح ہیں کہ عمدہ اور صالح عناصر کے اختلاط سے سونے چاندی کی عمدہ دھاتیں ترتیب پاتی ہیں۔ اس طرح باکمال آباء و اجداد سے اکثر وبیشتر باکمال اولاد پیدا ہوتی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود عنصری جن اصول کے اصلاب وارحام سے گزر کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا وہ سب اپنے اپنے زمانہ کے بہترین خلائق میں سے تھے حضورؐ ہی کا ارشاد ہے بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی کنت من القرن الذی کنت منہ، یعنی میں انسانی پشتوں کی بہترین پشتوں میں سے پیدا کیا گیا۔ چنانچہ اس تدریجی انتقال کے ذریعے بالآخر اس پشت میں سے ظاہر ہوا جس سے ظہور مقدر تھا، اسکی مزید تفصیل آپؐ نے یوں بیان فرمائی کہ ان اللہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسمعیل واصطفیٰ قریشاً من کنانۃ واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفٰنی من بنی ھاشم یعنی اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمعیل علیہ السلام میں سے بنی کنانہ کو چن لیا پھر بنی کنانہ میں سے قریش کو خاص فضیلت عطا کی پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو خاص فرمایا اور پھر بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نسبی طور پر عمدگی اور نجابت میں پوری انسانیت کا خلاصہ ٹھہرے۔

استاذ مرحوم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب نور اللہ مرقدہ سیرۃ المصطفیٰ میں نبی علیہ السلام کا نسب مطہر بیان کرنے کے بعد علامہ ماوردیؒ کی کتاب اعلام النبوۃ سے ان کا یہ قول نقل فرماتے ہیں۔

اذا اختبرت حال نسبہ صلے اللہ علیہ وسلم وعرفت طہارۃ مولدہ علمت انہ سلالۃ آباءٍ کرام لیس منھم مسترذل بل کلھم سادۃ قادۃ وشرف النسب وطھارۃ المولد من شرائط النبوۃ۔

یعنی جب تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مطیب کا حال معلوم کر لیا اور آپ کی طہارتِ نسب کو خوب پہچان لیا تو تو ضرور اس بات کا یقین کرے گا

کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم آبائے کرام اور اجدادِ عظام کا سُلالۃ اور خلاصہ ہیں اور کوئی شخص بھی آپؐ کے سلسلۂ آباؤ میں رذیل اور کمینہ نہیں سب کے سب سردار اور سیدا ور قائد ہیں اور شرافتِ نسب اور طہارت ولادت شرائطِ نبوت میں سے ہے ان موروثی خوبیوں اور کمالات پر مستزاد خدا تعالےٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری اور باطنی تطہیر کے لئے بیشمار دوسرے انتظامات بھی فرمائے نبی علیہ السلام کے شق صدر کا واقعہ مختلف طریقوں سے اتنی احادیث میں وارد ہُوا ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں، اس کی تشریح حقیقتِ واقعہ کے طور پر کی جائے یا کسی تشبیہ وتمثیل کے رنگ میں۔ اتنی بات بہرحال ثابت ہوتی ہے کہ فطری انسانی آلائشوں کا ممکنہ حد تک قلع قمع کرنے کے لئے کچھ غیر معمولی تدابیر بہرحال اختیار کی گئی ہیں جن کو دوسرے سینکڑوں ارہاصات ومعجزات کی طرح نبوی کمالات میں بلا تامل شمار کیا جاسکتا ہے۔

ان خاص انتظامات واہتمامات کے ساتھ جو پیغمبر دنیا میں تشریف لائے بلاشبہ شاعرِ نبوت حضرت حسّان رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کے ان اشعار کا پورا پورا محمل ومصداق تھے۔

واحسن منك لم ترقط عینی — واجمل منك لم تلد النساء
خُلقت مُبرّأ مِن کل عیبٍ — کانّك قد خُلقت کما تشاء

کہ آپ سے زیادہ جمیل میری آنکھوں نے کبھی دیکھا نہیں اور آپ سے زیادہ حسین عورتوں نے جنا ہی نہیں آپ تمام عیوب سے پاک پیدا ہوئے گویا آپ ایسے ہی تخلیق کئے گئے جیسے آپ چاہتے تھے۔

اور ابوالطیب متنبی نے اپنے ممدوح سیف الدولہ کی ستائش میں یہ کہہ کر کتنا بڑا ظلم کیا کہ مضت الدھور وما اتین بمثلہ ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ کہ زمانے گزر گئے لیکن اس کی مثال پیدا نہ کرسکے اور جب وہ پیدا ہوتے تو زمانے اس کی نظیر لانے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ اس مدح کا ممدوح فی الواقعہ پوری انسانی تاریخ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا ۔

بہرحال اوّلین و آخرین کے کمالات کے جامع

حُسنِ یوسف دمِ عیسٰی یدِ بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کی شان والے جب تزکیہ و تطہیرِ اُمت کے اپنے میدان کار میں کُود ے تو یوں کہ بقول عائشہ صدیقہ رضؓ كان خلقه القرآن ، قرآن کی خاموش اخلاقی تعلیمات کا جیتا جاگتا پیکرِ ناطق بن کر امت کو رذائل سے پاک اور فضائل سے متصف کرانے کے کام میں ہمہ تن منہمک ہوگئے اور پھر یہ انہماک بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچا کہ رب تعالٰی کو لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ شاید تو اس انہماک میں جان دے دیگا اور لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ، اے پیغمبر تو ان پر نگران و نگھبان نہیں وغیرہ تنبیہات سے آپ کو متنبہ کرنا پڑا ۔

تزکیہ و تطہیر کے سلسلے میں آپؐ نے اپنی تعلیم اور تعمیل سے اخلاقی اقدار کا جو تصوّر اور نمونہ دیا اس کی پوری پوری اور صحیح قدر و قیمت تو اُس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ دوسرے مروجہ مذاہب کی اخلاقی قدروں کے ساتھ ان کا تفصیلی موازنہ کیا جائے تاہم اجمالی طور پر اس کو اس اصولی تقسیم کی روشنی میں پرکھا جاسکتا ہے کہ دُنیا کے تمام مذاہب کے اخلاقیات کا سرسری مطالعہ بھی یہ جاننے کے لئے کافی ہوسکتا ہے کہ ان سب میں ظاہر و باطن کی تطہیر اور تعمیرِ اخلاق کے اصول و فروع میں انتہائی افراط و تفریط کارفرما ہے جس کی بدولت انسان کو ایک ایسی غیر متوازن صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس میں اس کے کمالات اور خوبیوں کے پنپنے کا موقعہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اس کے برعکس نبی علیہ السلام نے ایک ایسا ضابطہ اخلاق پیش کیا ہے جس میں ایک طرف تو انسان کے ظاہری اور باطنی محاسن کے ظہور کی پوری پوری گنجائش موجود ہے اور دوسری طرف فرد اور جماعت دونوں کے ترقیاتی تقاضوں کی اس باریک بینی سے رعایت کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے راستے میں رکاوٹ بننے کی بجائے ایک دوسرے کے معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں ۔

قابلِ قدر حاضرین ! تطہیرِ ظاہر کے سلسلے میں کچھ لوگ تو ایک عجیب قسم کی تضاد

عملی کا شکار ہیں مثلاً وہ بلا ناغہ روزانہ نہانے کا اہتمام کرتے ہیں کڑاکے کی سردی میں ان کی ٹھوڑیاں بجنے لگتی ہیں لیکن نام نہاد نفاست کا زعم ان کو یہ سب کچھ برداشت کرنے پر مجبور کرتا ہے ہر دن کا آغاز شیو کرنے اور سر کے بالوں میں تیل کنگھی کے استعمال سے کرتے ہیں اور دسمبر اور جنوری میں یخ بستہ فضاؤں میں کھلے منہ اور ننگے سر نکلنے کا عذاب سہتے ہیں یہ لوگ ظاہری لباس کی ستھرائی کا بھی بہت لحاظ رکھتے ہیں لیکن اس نفاست کے باوجود بول و براز کے وقت کپڑوں میں چھپے ہوئے اعضاء کی مناسب تطہیر کا کوئی اہتمام نہیں کرتے اور جنابت کی پلیدی کا ازالہ کرنے میں ان کو کوئی جلدی نہیں ہوتی - مرئی یعنی دیکھے جانے والے اعضاء کی حد تک یہ مفرطانہ اندازِ طہارت اکثر و بیشتر ترقی یافتہ اور ان کی اتباع میں ترقی پذیر قوموں کا شعار بنا ہوا ہے -

اس کے مقابلے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ظاہری طہارت کو انسانیت کی معنوی ترقیوں میں مخل سمجھتے ہیں، وہ نجاست و غلاظت کو نہ صرف گوارا بلکہ ذریعہ تقرّب قرار دیتے ہیں چنانچہ سکھ مت کے پیروکار پانی سے دور رہنا، بالوں کا بے ہنگم بڑھانا اور ہر قسم کے نجاساتِ بدنیہ کو اٹھائے پھرنا حد درجہ تقدس خیال کرتے ہیں گو ان کی نئی نسل عملی طور پر اس سے منحرف ہے لیکن مذہب کی حد تک یہ سب کچھ ان کے اعتقادات میں داخل ہے ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اسلامی تزکیہ و تطہیر کا وہ متوسط اور معتدل مسلک ہے کہ جس میں نہ تو روشن خیالوں کے وہ بے جا تکلفات ہیں جو آرائش یا نمائش کے لئے چار و ناچار کرنا پڑتے ہیں اور نہ ہی سکھ مت کی وہ بد مذاقی ہے جس سے انسانیت کا حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے - نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے ہے الطہور شطر الایمان کہ صفائی ایمان کا حصہ ہے اس اصولی تصوّر کو عملی جامہ پہنانے کے لئے احادیث کی کتابوں میں وہ بے شمار خدائی احکام موجود ہیں جن پر عمل کرنے سے انسانی حسن و جمال تو قائم و دائم رہتا ہے لیکن تزئین و آرائش کے تضیع اوقات کا کوئی دریچہ کھلنے نہیں پاتا -

امّت کے اعتقادی تزکیہ و تطہیر کے سلسلہ میں یہ اصول پیش نظر رہا -

کہ الحاد و اوہام کی دونوں انتہاؤں سے بچ کر ٹھیٹ حقائق کی بنیاد پر ایمانیات کی تشکیل فرمائی - چنانچہ نہ تو ملحدین و زنادقہ کی طرح نری مادہ پرستی سر اُٹھا سکی - اور نہ ہی توہم پرستوں کی طرح مظاہر قدرت کی پرستش کو مذہب بنا لیا گیا - یہاں خالق کو خالق اور مخلوق کو مخلوق مانا گیا، اور دونوں کے ساتھ مناسب تعلقات کی طرح ڈالی گئی -

حاضرینِ کرام! نبی علیہ السلام اُمّتِ وسط کو یہ ہمہ پہلو معتدل نظام زندگی دے کر رخصت ہوا - جب تک اس پر عمل ہوتا رہا اُمت کے بنیانِ مرصوص میں کوئی رخنہ اور شگاف پیدا نہ ہو سکا لیکن جونہی یہ امت صراطِ مستقیم سے ہٹ کر اِدھر اُدھر کی پگڈنڈیوں پر روانہ ہوئی تو بڑی تیزی سے اُس کا زوال و انحطاط شروع ہوا اور اب حالت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی اصل تعلیمات حیاتِ ملّی کے ایک ایک شعبے سے نکل رہے ہیں اور اس کی جگہ پر کہیں کہیں مادہ پرستی اور کہیں کہیں ..... مظاہر پرستی کے مصنوعی ادیان کے کل پُرزے فٹ کئے جا رہے ہیں اور اب کئی سالوں سے پیشوائے اعظم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لے کر اُمّت کے تمام چھوٹے بڑے رہنماؤں کے ایّام منانے کا ایک عجیب و غریب سلسلہ چل نکلا ہے کہ جس میں نام نہاد عشق و محبت کے نام پر ان کی تعلیمات اور سُنّتوں کا خون کیا جا رہا ہے اور نجی اور سرکاری پیمانے پر انہی بدعات کو فروغ دینے کی انتھک کوشش جاری ہے -

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

نواب صدیق حسن خاں کی خدمتِ قرآن

محمد اسحاق بھٹی

قرآن مجید وہ کتابِ ہدیٰ اور افشردۂ نور ہے، جس کی مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں بے شمار تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ لکھی جا رہی ہیں اور لکھی جائیں گی۔ ہمارے برصغیر پاک و ہند کے (جس میں اب بنگلہ دیش بھی شامل ہے) اہل علم نے بھی اس کو انتہائی عقیدت و محبت اور بدرجۂ غایت جذباتِ احترام کے ساتھ مرکز التفات ٹھہرایا اور اپنے اپنے نقطۂ نظر اور حالات کے مطابق اس کی تعبیر و توضیح کے لیے کوشاں ہوئے۔

برِصغیر میں اس صحیفۂ خداوندی اور نطقِ جبریل کی پہلی تفسیر علاقۂ سندھ میں لکھی گئی۔ اور سندھی زبان میں معرضِ تحریر میں لائی گئی، لیکن یہ رفیع الشان خدمت انجام دینے کا شرف کس بلند بخت مفسّر کو حاصل ہوا؟ اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، اس کا نام تاریخ کے پردے میں چھپا ہوا ہے۔

اس تفسیر کی تحریر کا پس منظر جو بزرگ بن شہریار کی کتاب "عجائب الہند" میں مذکور ہے، یہ ہے کہ ۲۷۰ھ میں علاقۂ سندھ کے ایک شہر ارور کے ہندو راجے نے جس کا نام عربوں کے نزدیک مہروک تھا، منصورہ کے حاکم عبداللہ بن ہباری سے درخواست کی کہ اس کو سندھی (اور بعض مورخین کے نزدیک ہندی) زبان میں مذہب اسلام سے متعلق معلومات قلم بند کر کے بھیجی جائیں، چنانچہ عبداللہ بن عمر نے ایک شخص کو بلایا جو اصلاً عراق کا باشندہ تھا، مگر اس کی تعلیم و تربیت سندھ کے دارالخلافہ منصورہ میں ہوئی تھی۔ وہ بہت ذہین اور سمجھ دار آدمی تھا اور اس ملک کی متعدد زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ عبداللہ نے اس کے سامنے راجا مہروک کی خواہش بیان کی۔ یہ سن کر اس کو بے حد خوشی ہوئی اور اس نے ایک نظم میں اسلامی

تعلیمات بیان کیں۔عبداللہ نے یہ نظم راجا مہروک کو بھیج دی۔ راجے نے یہ نظم سُنی تو انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور عبداللہ سے درخواست کی کہ اس شاعر اور عالم کو اس کے دربار میں بھیجا جائے۔عبداللہ نے اس کو راجا مذکور کے پاس بھیج دیا۔ وہ تین سال اس کے ہاں مقیم رہا اور اس اثنا میں راجا اس سے نہایت محبت و عقیدت کا اظہار کرتا رہا۔

تین سال بعد ۲۷۳ھ میں وہ عالم، والیٔ سندھ عبداللہ سے ملا تو عبداللہ نے راجا مہروک کے متعلق کچھ سوالات کیے۔جواب میں اس نے بتایا کہ جب میں وہاں سے چلا ہوں، راجا صدقِ دل سے اسلام قبول کر چکا تھا، لیکن حکومت چھن جانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس عالم نے راجا مہروک سے متعلق بہت سے واقعات عبداللہ سے بیان کیے۔جن میں ایک واقعہ یہ ہے کہ راجے نے اس سے سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی فرمائش کی، چنانچہ اس نے راجے کی فرمائش کے مطابق تفسیر لکھنا شروع کی۔ وہ روزانہ چند آیات کی تفسیر لکھ کر اس کو سناتا تھا۔ اس طرح وہ سورہ یٰس کی آیت نمبر ۷۸ پر پہنچا، جس کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ" یعنی "منکرِ اسلام کہتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا" وہ عالم کہتا ہے کہ جب اس نے اس آیت کا ترجمہ سنایا اور تفسیر بیان کی، اس وقت راجا سونے کے تخت پر بیٹھا تھا جو جواہرات سے مرصّع تھا۔ راجے نے کہا" ایک دفعہ پھر اس آیت کی تفسیر بیان کرو۔ دوبارہ تفسیر بیان کی گئی تو راجا تخت سے نیچے اترا اور چند قدم چلا۔ پھر فرطِ جذبات سے بے قابو ہو کر پیشانی زمین پر رکھ دی، حالانکہ زمین پر پانی چھڑکا ہوا تھا اور وہ تر ہو چکی تھی۔راجا اس قدر رویا کہ اس کے چہرے پر مٹی کی تہہ جم گئی۔ پھر سر اٹھایا اور کہا "بے شک وہی رب ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔" اس کے بعد اس نے ایک مکان تیار کرایا جس میں وہ تنہائی میں خدا کی عبادت کرتا اور وقت پر نماز پڑھتا تھا۔ لوگوں پر یہ ظاہر کرتا کہ وہ تنہائی میں سلطنت کے اہم امور پر غور کرتا ہے۔

سندھ کا یہ ایک گم نام عالم اور مفسر تھا، اور جہاں تک علمِ تفسیر کی

تاریخ کا تعلق ہے، غیر عربی زبانوں میں سندھی پہلی زبان ہے، جس کو قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر اور اسلامی تعلیمات کو اشعار کے قالب میں ڈھالنے کا فخر حاصل ہُوا۔

اس کے بعد برصغیر میں قرآن مجید کی تفسیر نویسی کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان تفسیروں کو ہم پانچ اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ عام نوعیت کی تفسیریں۔

۲۔ مختلف فقہی یا علمی نقطہ ہائے نظر کی تفسیریں۔

۳۔ وہ تفسیریں جن میں تفسیری مواد کم ہے اور مفسر کے علم و فضل کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔

۴۔ قدیم تفسیروں کی شرحیں اور حواشی۔

۵۔ اصولِ تفسیر۔

ان تمام قسم کی تفسیروں سے متعلق تفصیل بیان کرنا اس وقت میرے موضوع میں شامل نہیں، بات کو آگے بڑھانے کے لیے صرف اشارہ کرنا اور برصغیر کے بعض اہلِ علم کی چند تفسیروں کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

اس خطۂ ارض میں جو اہم تفسیریں مختلف زبانوں میں لکھی گئیں، ان میں ایک تفسیر "تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان" ہے، جو "تفسیر رحمانی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے اور عربی میں ہے اور برصغیر کے نامور عالم شیخ علی بن احمد مہائمی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ شافعی المسلک عالم تھے۔ ان کا سنِ وفات ۸۳۵ھ اور ۱۴۳۱ء ہے۔ یہ تفسیر نواب محمد صدیق حسن خاں کے خسر اور بھوپال کے مدار المہام منشی جمال الدین خاں نے بڑے اہتمام سے مصر سے شائع کرائی تھی۔ تفسیر دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ بعد میں یہ حیدر آباد (دکن) سے بھی شائع ہوئی۔

پھر نویں صدی ہجری کے عالم اجل شیخ شہاب الدین دولت آبادی نے "بحرِ مواج" کے نام سے فارسی زبان میں تفسیر لکھی۔

اسی طرح دسویں صدی ہجری کے مفسر شیخ محمد بن احمد گجراتی نے "تفسیر محمدی" کے نام سے ایک تفسیر لکھی۔ یہ عربی میں ہے۔

دسویں صدی ہجری ہی کے ایک اور نامور عالم شیخ علی متقی برہان پوری نے

"شئون المنزلات" کے نام سے عربی میں ایک تفسیر رقم فرمائی۔
گیارہویں صدی ہجری کے معروف ہندی عالم شیخ محب اللہ الہ آبادی نے "ترجمۃ الکتاب" کے نام سے ایک تفسیر سپرد قلم کی۔ اس تفسیر کو "المراتب الاربعہ" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی عربی میں ہے۔
گیارہویں صدی ہجری میں دربار اکبری کے معروف عالم ابوالفیض فیضی نے "سواطع الالہام" کے نام سے عربی میں ایک بے نقط تفسیر لکھی۔
بارہویں صدی ہجری کے جید عالم دین شیخ احمد بن ابوسعید نے جو ملّا جیون کے عرف سے معروف تھے "التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ" کے نام سے تفسیر لکھی۔ یہ بھی عربی میں ہے۔
تیرہویں صدی ہجری کے جلیل القدر فاضل ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی عربی تفسیر کو "تفسیر مظہری" کے نام سے موسوم کیا۔
اس سرزمین کے علمائے عظام نے قرآن مجید کے تراجم کی طرف بھی عنانِ توجہ مبذول کی، چنانچہ مغل بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر نے، جسے قرآن مجید سے قلبی لگاؤ تھا، اپنے عہد کے ایک عالمِ دین شیخ محمد بن جلال الدین حسینی گجراتی کو، قرآن کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ ترجمہ لفظی ہو اور الفاظِ قرآن سے کوئی لفظ زائد نہ ہو۔ نیز تاکید کی کہ ترجمہ آسان اور عام فہم ہونا چاہیے، الفاظ اور زبان میں تصنع اور تکلف ہرگز نہ ہو۔
یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ ترجمہ ہوا یا نہیں ہوا۔ اگر ہوا، تو کہیں موجود ہے یا نہیں ہے؟ اگر یہ ترجمہ ہوگیا ہو، تو غالباً یہ پہلا ترجمہ ہے جو برِصغیر کے ایک عالم نے ایک حکمران کے کہنے سے فارسی زبان میں کیا۔
پھر حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ جس کو حلقۂ اہلِ علم میں انتہائی شرفِ قبولیت حاصل ہوا۔ ان کے فرزند کبیر شاہ عبدالعزیز نے تفسیر "فتح العزیز" لکھی جو "تفسیر عزیزی" کے نام سے مشہور رہی ہے۔ اس تفسیر کے صرف دو حصّے موجود ہیں۔ ایک حصّہ سورہ فاتحہ سے پارہ دوم کے ربع تک ہے اور ایک حصّہ انتیسویں اور تیسویں دو پاروں کو محتوی ہے۔ افسوس

ہے، اس شاندار تفسیر کے باقی حصّے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ضائع ہو گئے۔ یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے جو مصنف علام نے عمر کے آخری حصّے میں، جب کہ ان کی بینائی ضائع ہو چکی تھی، اپنے ایک شاگرد کو املا کرائی۔

شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائیوں — شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے قرآن کا اردو میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ اس وقت کیا، جب اردو زبان بالکل ابتدائی دور میں تھی اور اس کے قواعد و ضوابط بھی معرضِ وجود میں نہیں آئے تھے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس حال میں الفاظ قرآن کو اردو کے قالب میں ڈھالنا، کس درجے مشکل اور کٹھن کام تھا۔ ان دونوں عظیم القدر بھائیوں کے اردو ترجمے نہایت مقبول ہوئے۔ اہلِ علم میں انھوں نے بدرجۂ غایت پذیرائی حاصل کی اور تداول و شہرت میں بعد کا کوئی ترجمان کا مقابلہ نہ کر سکا۔

آیئے اب مختصر الفاظ میں نواب سید محمد صدیق حسن خاں والیٔ بھوپال کی ان خدمات کا تذکرہ کریں جو انھوں نے قرآن مجید کے سلسلے میں انجام دیں۔

نواب صاحب ممدوح ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ کو ہندوستان کے مشہور شہر قنوج میں پیدا ہوئے۔ ان کے اسلاف میں تمام بزرگ علم کے زیور سے آراستہ اور تدین و تقویٰ کی نعمت سے مالا مال تھے۔ نواب صاحب نے اپنے بزرگوں کی اس روایت کو نہ صرف قائم رکھا، بلکہ اوصافِ گوناگوں میں سب سے آگے نکل گئے۔ حصولِ علم کے بعد زندگی کی مختلف منزلیں طے کرتے ہوئے، بھوپال کے منصبِ نوابی پر فائز ہوئے اور حسنِ کارکردگی کی بنا پر بڑی شہرت پائی۔ انھوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں لکھیں۔ کثرتِ تصنیفات کے اعتبار سے برصغیر کا کوئی عالم ان کا حریف نہیں۔ تفسیر، حدیث، شروحِ حدیث، فقہ، عقائد، تاریخ و سیر، تصوف، اخلاق، ادبیات اور خلافیات، غرض ہر موضوع سے متعلق ضخیم اور شاندار کتابیں ان کی یادگار ہیں اور اہلِ علم و اصحابِ قلم کے نزدیک انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔

آج کی مجلس میں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ تفسیر قرآن کے باب میں ان کا دائرۂ تصنیف کہاں تک ممتد ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے سات کتابیں

سپردِ قلم کیں۔ جو اپنے دامنِ صفحات میں معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ لیے ہوئے
ہیں اور وہ کتابیں یہ ہیں:۔

۱۔ **فتح البیان فی مقاصد القرآن** ۔۔ یہ تفسیر عربی میں ہے اور چار
جلدوں پر مشتمل ہے۔ نہایت عمدہ تفسیر ہے، زبان بہت شاندار اور علمی ہے۔
پہلی مرتبہ نواب صاحب کی زندگی میں بھوپال میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد نواب صاحب
نے اس میں بہت سے اضافے کیے اور پھر خود ہی دس جلدوں میں اسے مصر سے شائع
کرایا۔ یہ تفسیر بڑے سائز کے چار ہزار سے زائد صفحات کو محتوی ہے۔

۲۔ **ترجمان القرآن بلطائف البیان** :۔ یہ تفسیر اردو زبان میں ہے
عمر کے آخری حصے میں ۱۳۰۲ھ کو لکھنا شروع کی تھی۔ پہلے انتیسویں اور تیسویں دو
پاروں کی تفسیر ایک جلد میں مکمل کی۔ اس کے بعد ابتدائے قرآن یعنی سورۃ فاتحہ سے
آغاز کیا اور آخر سورہ کہف تک چھ جلدیں سپردِ قلم کیں۔ اس طرح سات جلدیں
ہوگئیں، تو اپنے شاگردِ رشید اور نامور عالم مولانا ذوالفقار احمد سے کہا کہ اب میں
بوڑھا ہوگیا ہوں اور قویٰ میں اضمحلال آگیا ہے اس لیے اس سے آگے تفسیر لکھنا ممکن
نہیں، البتہ دوسرے موضوعات سے متعلق چھوٹی چھوٹی کتابیں اور رسالے لکھ سکتا ہوں،
بہتر یہ ہے کہ سورہ مریم سے لے کر سورہ تحریم تک تفسیر وہ (یعنی مولانا ذوالفقار احمد)
لکھیں۔ مولانا نے پہلے تو کچھ عذر پیش کیے، لیکن جب ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ۔
(مطابق ۱۷ فروری ۱۸۹۰ء) کو نواب صاحب وفات پاگئے تو مولانا ممدوح نے اس
اہم کام کو مکمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ۲۳ صفر ۱۳۰۸ھ میں چہار شنبہ اور پنجشنبہ
کی درمیانی رات کو اس کا آغاز کیا تھا اور کچھ عرصے بعد آٹھ جلدیں لکھ لیں۔ اس طرح
پندرہ جلدوں میں یہ تفسیر تکمیل کو پہنچی۔

اردو زبان میں یہ پہلی تفسیر ہے جو بہت مفصّل ہے اور جس میں مطالبِ قرآن
کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے قبل اگرچہ اردو میں حضرت شاہ عبدالقادر
دہلوی کی تفسیر موضح القرآن معرضِ تحریر میں آچکی تھی، لیکن وہ زیادہ تفصیل کی حامل نہ
تھی۔ نواب صاحب نے موضح القرآن کے اہم مضامین کو بھی اس میں سمیٹ لیا ہے۔
اس کے علاوہ فقہی نوعیت کے مسائل بھی، جو قرآن میں مذکور ہیں، اس میں نہایت

عمدگی سے بیان کیے گئے ہیں۔

اس تفسیر کی اردو بہت اچھی اور رواں ہے۔ ہر بات آسانی سے قاری کے فہم کی گرفت میں آجاتی ہے بلکہ جیسے جیسے قاری اس کے مطالعے میں آگے بڑھتا جاتا ہے اسی نسبت سے دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔

یہ تفسیر سب سے پہلے مطبع احمدی لاہور میں شائع ہوئی تھی۔ بڑی تقطیع کے تقریباً پانچ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نواب صاحب مرحوم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی غرض سے موضع کھڈیاں (ضلع قصور) کے ایک عالم مولانا محمد صاحب مرحوم نے بھی سورہ مریم سے لے کر سورہ تحریم تک ترجمان القرآن بلطائف البیان کے نام سے تفسیر لکھی تھی۔

۳۔ تذکیر الکل بتفسیر الفاتحۃ واربع قل :۔ یہ کتاب اردو میں ہے اور سورہ فاتحہ اور سُوَر قل یعنی قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی تفسیر ہے۔ ان پانچ سورتوں کی اردو میں یہ بہترین تفسیر ہے۔ ستر صفحات میں ہے۔ نواب صاحب کی زندگی میں ۱۳۰۷ھ سے قبل شائع ہوئی۔

۴۔ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام :۔ یہ عربی زبان میں ہے اور قرآن مجید کی اُن ۲۳۶ آیات کی تفسیر ہے جو احکام سے متعلق ہیں۔ پہلی مرتبہ یہ بڑے سائز پر ۱۲۹۲ھ میں بھوپال سے شائع ہوئی۔ دوسری دفعہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں مصر سے شائع کی گئی۔ چار سو صفحات میں پھیلی ہوئی یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے

۵۔ فصل الخطاب فی فضل الکتاب :۔ یہ کتاب اردو میں ہے اور قرآن مجید کے فضائل پر محیط ہے۔ اپنے موضوع کی یہ عمدہ ترین کتاب ہے۔ پہلے بھوپال میں طبع ہوئی۔ پھر ۱۳۱۴ھ کو مطبع فاروقی دہلی سے شائع کی گئی۔ بڑے سائز کے ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔ اکسیر فی اصول التفسیر :۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اور دو حصوں میں ہے۔ حصہ اول میں کتبِ تفسیر کا تعارف ہے اور حصہ دوم میں مفسرین کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ اس موضوع سے متعلق یہ پہلی کتاب ہے جو ارضِ ہند کے ایک

عالمِ دین نے تصنیف کی۔ فاضل مصنف نے اسے حروفِ تہجی کی ترتیب سے تحریر کیا ہے ۱۲۹۰ھ کو مطبع نظامی کان پور سے اشاعت پذیر ہوئی۔ بڑی تقطیع کے ۱۳۰ صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

۷۔ **افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ** :۔ یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ آیاتِ قرآن کے بارے میں ہے اور دوسرا حصہ احادیث کے ناسخ منسوخ سے متعلق ہے۔ مطبع محمدی لاہور سے ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں طبع ہوئی۔ ۱۴۴ صفحات پر محیط ہے۔

نواب سید محمد صدیق حسن خاں والیٔ بھوپال کی یہ سات کتابیں ہیں جو تفسیر قرآن اور اس کے متعلقات کے بارے میں ہیں۔ یہ ان کی نہایت مہتم بالشان خدمتِ قرآن ہے۔ یہ ساتوں کتابیں بڑے سائز کے دس ہزار صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ نواب صاحب غالباً برصغیر کے پہلے مصنف ہیں، جنہوں نے قرآنِ مجید کے موضوع پر عربی، فارسی اور اردو، تینوں زبانوں میں اس درجے میں عظیم الشان خدمت انجام دی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی
کے مقاصد کی وضاحت کے لیے مطالعہ فرمائیں
اسلام کی نشأۃِ ثانیہ
کرنے کا اصل کام
از قلم : ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن میں ناسخ و منسوخ کا مسئلہ

ڈاکٹر قاری سید محمد رضوان اللہ ازہری
صدر شعبۂ سُنی دینیات - علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مَا نَنسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا (سورۃ البقرہ آیت ۱۰۶)

جناب صدر محترم! موسّس انجمن خدام القرآن، ناظم اعلیٰ اور حضرات و خواتین مسائل فقہ میں سلف سے لیکر خلف تک برابر اختلاف چلا آرہا ہے - آیات ناسخہ و منسوخہ کا باب بھی انہیں اختلافات کی ایک ایسی کڑی ہے کہ جس کے ظاہری تعارض نے اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت دی کہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) (۱۵۰۵ء) شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (۱۷۶۲ء) مفتی محمد عبدہ مصریؒ (۱۹۰۵ء) اور سر سید احمد خاں مرحوم (۱۸۹۸ء) جیسے اہلِ علم حضرات کو اس موضوع پر قلم اٹھانا پڑا -

نسخ کا مفہوم:- نسخ کے لغوی معنی لکھنے اور زائل کرنے کے ہیں - لیکن یہ اصطلاحی لفظ ہے جو اسلامی فقہ میں وسیع معنیٰ میں مستعمل ہے - اسکی صحیح تعریف میں بڑا اختلاف رہا ہے - کہیں نسخ کو ردو بدل کے نام سے تعبیر کیا گیا کہیں ناسخ آیتوں نے منسوخ آیات کو کسی قسم کے اشتباہ کے سبب بیکار کر دیا - جن اکابر نے نسخ کو تسلیم کیا وہ خود بھی آیات منسوخہ کی تعداد میں مذبذب رہے ہے - نسخ کی تعریف میں حافظ ابنِ قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں "نسخ سے مراد کسی تخصیص یا شرط کی بنا پر ظاہری معنیٰ

کو ترک کر دینا یا اسے اختیار کر لینا ہے" [1]

ابن حزم رح (۴۵۶ھ) کا قول ہے۔

" یہ کہنا کہ ایک حکم نے دوسرے حکم کو منسوخ کر دیا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی تعبیر زیادہ صحیح یہ ہوگی کہ ایک حکم کے بعد دوسرا حکم نازل ہوا۔" [2]

ابوبکر جصاص رح کا کہنا ہے "نسخ کا مطلب حکم یا تلاوت کی مدت بیان کر دینا ہے [3] ۔ قرآن کی کسی آیت پر جب نسخ کا حکم لگایا جاتا ہے تو اس سے مراد آیت کا ازالہ نہیں بلکہ مدعا یہ ہوتا ہے کہ آیت پر جو حکم لگا ہے یا لگا تھا وہ اُس وقت اور زمانہ کے اعتبار سے تھا۔ حالات کے بدل جانے پر کسی طرح بھی مطلقاً وہ حکم ممنوع نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ آیت ذیل سے واضح ہے۔ [4]

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا ۔ "ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا اس آیت کو فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بھی بہتر آیت یا اس جیسی لاتے ہیں"

مطلب یہ ہے جس طرح ایک معالج اپنے مریض کے نسخے میں حسب حالات تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے اسی طرح حاکم حقیقی بھی مصلحت اور اقتضاء وقت کے لحاظ سے اپنے احکام بدلتا رہتا ہے [5] مفسرین نے اگر کسی آیت پر ناسخ و منسوخ کا حکم دیا ہے تو وہ مجازاً دیا ہے ۔ مثلاً قرآن میں ہے" لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ " یعنی تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے۔

---

[1] - اعلام الموقعین- حافظ ابن قیم ج ۱ ص ۲۹ مصر ۱۳۲۵ ھ

[2] الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴ ص ۵۹ ابن حزم مصر ۱۳۴۵ ھ

[3] احکام القرآن ج ۱ ص ۹۷ ابوبکر جصاص قسطنطنیہ ۱۳۳۸ ھ

[4] سورۃ البقرہ آیت ۱۰۶

[5] تفسیر المنار ج ۱ ص ۴۱۶ رشید رضا - مصر ۱۳۷۳ ھ

آیت کا یہ جزٔ منسوخ التلاوت نہیں بلکہ منسوخ الحکم ہے کیونکہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم عرب کے مشرکین کو دعوت اسلام دے رہے ہیں نہ کہ اُن کیلئے ان کے دین پر رہنے کی رضامندی کا اظہار کیا جا رہا ہے ۔ مشرکین نے چونکہ نہ صرف اس دعوت کا انکار کیا بلکہ تمسخر کے ساتھ اپنے مذہب کی دعوت دی لہذا پروردگار عالم کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اے رسولؐ! آپ ان سے صاف صاف فرما دیجئے کہ اگر تم دعوت اسلام قبول نہیں کرتے تو نہ کرو ۔ تم کو تمہارا مذہب اور مجھ کو میرا مذہب مبارک ہو ۔ جو ایمان لانا چاہے وہ اھلاً وسہلاً اور جو نہ لائے وہ اپنے اعمال کا خود مسئول ہے ۔

دنیا کی حکومتوں، اداروں میں کسی حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دینا مشہور و معروف ہے لیکن انسانی احکام میں نسخ کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ پہلے کسی غلط فہمی سے جاری کر دیا اس کے بعد اصل حقیقت معلوم ہوئی تو حکم بدل دیا ۔ کبھی اس لیے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے مناسب تھا ۔

ایک تیسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ حکم دینے والے کو پہلے ہی سے یہ معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے اور اس وقت یہ حکم مناسب نہیں ہوگا، دوسرا حکم دینا ہوگا ۔ یہ جانتے ہوئے آج ایک حکم دیدیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی سابقہ قرارداد کے مطابق حکم بھی بدل دیا ۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسا کہ کوئی طبیب یا ڈاکٹر مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ دو دن اس دوا کو استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدل جائے گا اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنا ہوگی ۔ وہ پہلے دن ایک دوا تجویز کرتا ہے جو اس دن کے مناسب ہے دو دن کے بعد حالات بدلنے پر دوسری دوا تجویز کرتا ہے ۔ حالانکہ حاذق طبیب یا ماہر ڈاکٹر یہ بھی کر سکتا ہے کہ پہلے ہی دن پورے علاج کا نظام لکھ کر دیدے کہ دو روز تک یہ دوا کرے ۔ پھر تین روز فلاں دوا، پھر ایک ہفتہ بعد فلاں دوا ۔ لیکن یہ مریض کی طبیعت پر بلاوجہ کا ایک بار ڈالنا ہے ۔

اس میں غلط فہمی کی وجہ سے عملی خلل کا بھی خطرہ ہے۔ اس لئے وہ پہلے ہی سے تمام تفصیلات نہیں بتلاتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام ہیں اور اس کی نازل کردہ کتابوں میں صرف یہی آخری صورت نسخ کی ہو سکتی ہے۔ اور ہوتی رہی ہے۔ ہر آنے والی نبوت اور ہر نازل ہونے والی کتاب نے نبوت وکتاب کے بہت سے احکام کو منسوخ کر کے نئے احکام جاری کئے اور اسی طرح ایک ہی نبوت وشریعت میں ایسا ہوتا رہا کہ کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا پھر اسکو بدل کر دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ لَمْ تَكُنْ نُبُوَّةٌ قَطُّ إِلَّا تَنَاسَخَتْ ٥

یعنی کبھی کوئی نبوّت ایسی نہیں آئی کہ جس نے احکام میں نسخ اور ردوبدل نہ کیا ہو — کچھ جاہل یہودیوں نے اپنی جہالت سے احکام الٰہیہ کے نسخ کو دنیوی احکام کے نسخ کی ابتدائی دو صورتوں پر قیاس کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر اعتراض کیا تھا تو اسکے جواب میں مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا - أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ یعنی ہم کسی آیت کا جو حکم موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت ہی کو ذہنوں سے فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی جیسی لے آتے ہیں۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

رُوح المعانی میں ہے: وَاتَّفَقَتْ أَهْلُ الشَّرَائِعِ عَلَى جَوَازِ النَّسْخِ وَوُقُوعِهِ

تمام اہل شرائع کا نسخ کے جواز اور وقوع دونوں پر اتفاق ہے۔

اس کے علاوہ نسخ کے وجود وقوع سے متعلق صحابہ کرام وتابعین کے اس قدر آثار واقوال موجود ہیں جن کا نقل کرنا مشکل ہے۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ)

نے نسخ کی تقسیم اس طرح کی ہے ۔

وَالنسخ ثلاثۃ انواع احدھا مانسخت حکمہٗ وتلاوتہٗ کعشر رضعات والثانی ما نسخت تلاوتہ دون حکمہ کخمس رضعات وکالشیخ و الشیخۃ اذا زنیا فارجموھما والثالث ما نسخ حکمہٗ و بقیت تلاوتہٗ وھذا ھو الاکثر ومنہ قولہٗ تعالیٰ اَلَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِیَّۃً لِاَزْوَاجِھِمْ[1] (سورۃ البقرہ آیت ۲۴۰)	نسخ کی تین قسمیں ہیں - ایک تو وہ جس کا حکم منسوخ اور تلاوت بھی منسوخ ، جیسے رضاعت میں دس گھونٹ کی حدیث ۔ دوسری وہ کہ جس کی تلاوت منسوخ ہو لیکن حکم باقی ہو جیسے رضاعت میں پانچ گھونٹ کی حدیث اور الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما کہ جو بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کرے ان دونوں کو رجم کر دو ۔

اور تیسری قسم یہ کہ جس کا حکم باقی نہ ہو لیکن اس کی تلاوت باقی ہو ۔
جیسے اَلَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا
"وہ لوگ جو تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں انکی بیویوں کے لئے وصیت" ـــــ والی آیت ۔

نسخ کی پہلی قسم : یعنی حکم و تلاوت منسوخ - امام نوویؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے ۔[2]

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا انھا قالت کان فیما انزل من القراٰن عشر رضعات	حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ قرآن میں تھا کہ اگر کوئی دس گھونٹ دودھ پئے تو یہ حرمت میں داخل ہے ۔

---

[1] افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ ص ۹ - نواب صدیق حسن خان مطبع نظامی کانپور ۱۳۰۴ھ
[2] شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۸ امام نوویؒ اصح المطابع دھلی ۱۳۷۶ھ

معلوماتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ	پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ پھر
نُسِخْنَ بِخَمْسٍ معلوماتٍ	پانچ گھونٹ پینا موجب حرمت قرار
فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	دیا گیا یہاں تک کہ حضور اکرمؐ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَءُ	وفات پا گئے اور یہ قرآن میں
مِنَ القرآن	پڑھا جاتا تھا۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دس گھونٹ اور پانچ گھونٹ کی قرات آخر وقت میں منسوخ ہو گئی۔ مگر حضور کی وفات کے سبب اس کے نسخ کی کیفیت جلد معلوم نہ ہو سکی۔ لیکن جب نسخ مشہور ہو گیا تو سب نے اجماع کے ساتھ یہ طے کیا کہ اسے قرآن میں نہ پڑھا جائے۔

دوسری قسم تلاوت منسوخ حکم باقی: الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما الایۃ کو حضرت عمرؓ قرآن میں شامل کرنا چاہتے تھے لیکن اس خیال سے کہ لوگ کہیں گے عمرؓ نے کتاب اللہ میں اضافہ کیا ہے اس آیت کو بھی منسوخ بالتلاوت اور باقی بالحکم سمجھا گیا۔

نسخ کی تیسری قسم تلاوت باقی اور حکم منسوخ: اس سلسلہ میں آیت ملاحظہ فرمائیے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ	جو لوگ تم میں سے ایسی حالت
يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً	میں وفات پا جائیں کہ ان کی
لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ	بیویاں موجود ہوں تو وہ اپنی
غَيْرَ اِخْرَاجٍ - فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا	بیویوں کیلئے ایک سال کے نان
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ	نفقہ کی وصیت کر دیں۔ اور
اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ	ان کو گھر سے نکلنے کی بھی اجازت
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ اپنے

(سورۃ البقرہ آیت ۲۴۰)[1] حق میں نکلنے میں بھلائی دیکھیں تو
تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔
اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

نسخ کے سلسلہ میں آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ سے یہ احکام صادر ہوتے ہیں۔

(الف) بیوی کے لئے شوہر پر ایک سال کے نان نفقہ کی وصیت کی ذمہ داری
(ب) بیوی شوہر کے ملک میں سے ایک سال سے زیادہ نان نفقہ لینے کی مستحق نہیں
(ج) بیوی شوہر کی تاریخ وفات سے ایک سال تک دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ احکام اب بھی باقی ہیں یا نہیں۔ ج

قرآن کریم کی آیت:
وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا[2] ؀ سے پتہ چلتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہوتے ہی مذکورہ آیت کے احکام منسوخ ہو گئے۔ یعنی جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کے لئے چار ماہ دس دن کی مدت ہے۔ اس طرح چار ماہ دس دن کی مدت نے آیت کے (ج) حصہ کو منسوخ کر دیا۔

اب آیت کے پہلے دو حصے (الف) اور (ب) کو لیجئے۔ اس سلسلہ میں آیت میراث ملاحظہ فرمائیے!
وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ ۔ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ

---

[1] تفسیر عزیزی فارسی ص ۴۸۸ - شاہ عبدالعزیز دہلوی مطبع فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۴ھ

[2] سورہ بقرہ ۲۳۴ کتاب الاعتبار ص ۱۸۴ - ۱۸۵ - ابوبکر بن حزم حیدرآباد ۱۳۵۹ھ

وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ -

(اور تمہاری بیویوں کے لئے اگر تمہارے اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں چوتھائی حصہ ہے اور اگر کوئی ہو تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے - بعد اس وصیت کے جو تم نے کی ہو یا قرضہ ہو - اس آیت نے (الف) اور (ب) کے احکام منسوخ کر دیئے -

خلاصہ یہ ہے کہ نسخ ماننے کی دو قسمیں ہیں ۱) نسخ آیات ۲) نسخ احکام اکثر ائمہ متاخرین دوسری قسم کے قائل ہیں -

نسخ کے سلسلہ میں ایک بحث "سبعۃ احرف" بھی ہے مستشرقین کو اس کے سبب کافی غلط فہمیاں ہوئیں - مثلاً عرب کے مختلف خطوں، مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، عراق، لبنان، شام - لیبیا، سوڈان اور مصر کے رہنے والوں میں تلفظ اور لہجوں کا اختلاف پایا جانا طبعی امر ہے اس لئے رحمۃ اللعالمین نے ہر خطہ کے باشندوں کو اپنے اپنے لہجوں اور تلفظ کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت دیدی تھی - لہجے اور اختلاف قرأت کے سبب لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ آیات قرآنی بدل گیئں - مثلاً ضمیر مذکر غائب "ھم" کا تلفظ ایک قرأت میں "ھمو" ہے تو اس سے نہ تو معنی میں کوئی فرق ہوتا ہے اور نہ اس مقام پر "ھم" کا پڑھنا ممنوع ہے - لغات عرب کے لہجے اور تلفظ کا جب اصل معانی پر کوئی غیر معمولی اثر نہیں پڑتا تو پھر اسکو نسخ سے تعبیر کرنا محض غلط فہمی کے مترادف ہے - متقدمین حضرات کے نزدیک منسوخہ آیات کی تعداد پانچسو۵۰۰ تک شمار کی گئی ہیں - متاخرین نے منسوخہ آیات کی تعداد میں کمی کر دی - چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے صرف بیس۲۰ یا اکیس۲۱ آیتوں کو منسوخ قرار دیا ہے - حقیقت تو یہ ہے کہ اس مسئلہ کی جسقدر تنقیح ہوتی گئی آیات منسوخہ کی تعداد میں اسی قدر کمی بھی ہوتی گئی - شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ تسلیم کیا ہے - چنانچہ فرماتے ہیں -

قُلْتُ وعَلٰی مَاحَرَّرْنَا لا یتعینُ النسخ الا فی خمسِ آیاتٍ

"میں کہتا ہوں کہ ہماری تحریر کے مطابق نسخ صرف پانچ آیات میں ہے"۔ [1]

حضرات!

مفتی محمد عبدہ مصری ر ۱۹۰۵ء اور سرسید احمد خاں ر ۱۸۹۸ء جیسے جدید طرز فکر رکھنے والے سرے سے نسخ کے "قائل ہی نہیں تھے لیکن متقدمین علماء ہوں یا متاخرین، وقوع نسخ کے "قائل چلے آئے ہیں۔ مطلقاً وقوع نسخ کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ نسخ کا مطلب دراصل حکم اور مشروعیت کا سرے سے ختم ہو جانا ہے۔ یعنی آیت کا اس طرح منسوخ ہو جانا کہ اس کے کسی لفظاً اور جزء پر عمل باقی نہ رہے۔

اب اگر کوئی شخص تجدید ایمان، توبہ اور تجدید عہد کے بعد فہم قرآن کی سعادت سے بہرہ ور ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی مسئلہ کے متعلق قرآن میں جس قدر احکام آئے ہیں ان سب کو یکجا کر کے پتہ لگائے کہ کون سا حکم کس زمانہ کے لئے تھا اور کون سا کس زمانہ کے لئے ہے۔ ایک کا مورد و محل کیا ہے اور دوسرے کا کیا ؟ اگر وہ احکام متنوعہ کے ان باہمی فروق کو نظر انداز کر کے خاص توازن و تناسب پیدا کرنے کی سعی پیہم نہ کرے گا۔ تو قدم قدم پر اُس کو مشکلات پیش آئیں گی اور جتنا وہ ان مشکلات سے فرار اختیار کرے گا اسی قدر بھول بھلیوں میں اپنے کو پھنسا لے گا۔ کہیں وہ ایسی رکیک اور گھٹیا تاویل و توجیہ کا شکار ہو گا جو قرآنی منشا کے برعکس ہو گی۔

آخر میں اپنا مقالہ علامہ اقبال کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

وَآخِرُ دعوانا انِ الحمدُ للہ ربّ العالمین۔

---

[1] .. الفوز الکبیر۔ شاہ ولی اللہ ص ۳۸-۴۱ دہلی ۱۹۶۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان المبارک

از: مولوی صادق الاسلام صاحب مدظلہ

رمضان کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ خلیل بن احمد نحوی کا قول ہے کہ یہ "رمضاء" سے مشتق ہے۔ رمضاء وہ بارش ہے جو موسم خریف سے پہلے ہوتی ہے اور زمین کو غبار سے پاک صاف کر دیتی ہے۔ رمضان کا بابرکت مہینہ بھی جسم و رُوح کو پاک صاف کر دیتا ہے اس لئے اس نام سے موسوم ہوا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ رمضان اصل میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے اور اسی پر اس مہینہ کا نام رکھا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالےٰ کی رحمت کے سامنے گناہ گاروں کے گناہ جل کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس مہینہ کی برکتوں کی وجہ سے گناہ گاروں کے گناہ جل جاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر للرازی۔ ص ۱۸۱، ج ۲)

کسبِ حسنات کا مہینہ

جس طرح بعض موسموں کو بعض چیزوں سے مناسبت ہوتی ہے، مثلاً بہار کا موسم آتا ہے تو ہر طرف روئیدگی نظر آتی ہے حدِ نگاہ تک سبزہ ہی سبزہ آنکھوں کی لذّت کو دوبالا کرتا ہے۔ وہ درخت جو کل تک خزاں رسیدہ تھے، بہار کا موسم آتے ہی سبز جوڑا پہن کر جوان ہو جاتے ہیں، زمین جو آفتاب کی تمازت سے جل کر اپنی صلاحیت کھو بیٹھی تھی۔ اس میں صلاحیت عود کر آتی ہے۔ اگر دانے بکھیر دیئے جائیں تو چند دنوں میں سرسبز و شاداب پودے نظر آنے لگتے ہیں۔ اسی طرح رمضان کا مہینہ بھی اللہ تعالےٰ کی عنایتِ بے پایاں اور رحمتِ بیکراں کا مظہر ہے جو اس مہینہ میں بارش کی طرح برستی ہے۔ سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ (الترغیب الترہیب)

اس ماہِ مُبارک کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے، درمیانی عشرہ مغفرت کا ہے اور آخری عشرہ دوزخ سے آزاد ہونے کا ہے۔

یعنی انسان گیارہ مہینوں تک گناہوں میں مبتلا رہتا ہے تو دوزخ کا مستحق بن جاتا ہے، رمضان آتے ہی پورے دس دن تک اس پر اللہ تعالےٰ کی رحمتیں برستی رہتی ہیں مسلسل دن کے روزوں سے اپنی خطاؤں کا احساس ہوتا ہے اور مغفرت طلب کرتا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور گناہوں کی بخشش کی جاتی ہے مزید دس دن کے روزوں سے جب انسان میں ضعف و انکسار آجاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی رحمت موجزن ہوتی ہے اور گناہوں سے پاک صاف کرکے جنت کا مستحق بنا دیتی ہے۔

رمضان کا پورا مہینہ اللہ تعالےٰ کی رحمتوں سے بھرپور رہتا ہے۔ اس مبارک مہینہ میں ایک رات ایسی آتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہوتی ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم نے فرمایا کہ:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ

رات قدر کی بہتر ہے ہزار مہینے سے (پ۳۰ سورۃ قدر)

جو شخص موسم آنے پر دانے بکھیرتا ہے اور محنت کرکے خزینہ بھر لیتا ہے اس کی زندگی خوشگوار ہوتی ہے اور جو سُستی کرتا ہے بالآخر کفِ افسوس ملتا ہے۔ یہی حال طالبانِ آخرت کا ہے۔ ان کے لئے رمضان ایک بڑی قیمتی چیز ہے جس نے اس ماہ کو گنوا دیا پچھتائے گا۔ رمضان آخرت کی کمائی کا موسم ہے جس میں انسان محنت کرکے بڑے بڑے اجر و ثواب حاصل کر لیتا ہے۔ عقلمند لوگ اس کو غنیمت سمجھتے ہیں اور آخرت کی کمائی میں لگ جاتے ہیں۔ بیوقوف غفلت میں دن کھو کر محروم رہ جاتے ہیں۔

رمضان المبارک کی برکات

اللہ تعالےٰ نے اس ماہِ مبارک کو جب سے لیل و نہار کے نظام میں شامل فرمایا ہے اسے عجیب و غریب برکات و تجلیات سے نوازا ہے اور خاک کے پتلے کی رُوحانی صلاح اور تہذیبِ نفس کے لئے جب کبھی کوئی آسمانی تحفہ اُتارا ہے اس کے لئے اسی ماہِ مبارک کا انتخاب فرمایا ہے صحفِ ابراہیم سے لے کر قرآن کریم تک تمام رُوحانی

تحفے یعنی احکامِ ربانی اور قوانینِ الٰہی پر مشتمل کتب اور صحف سب اسی ماہِ مبارک میں نازل ہوئے :

عن واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال انزلت صحف ابراهیم فی اول لیلۃ من شهر رمضان والتوراۃ لست مضین منہ والانجیل لثلاث عشرۃ والقرآن لاربع وعشرین

(البحر المحیط لابی حیان، ص۴۰، ج۲)

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے ماہِ رمضان کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات ۶ رمضان کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل ۱۳ رمضان کو فرشِ خاکی پر رہنے والے خاکی انسان تک پہنچیں اور قرآن مجید بھی اسی ماہ کی چوبیس کو نازل ہوا۔"

جیسا کہ فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۔ (البقرۃ آیت ۱۸۵ پ۲)

"رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔"

اس ماہ کے خصائص اور فضائل

عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

(مشکوٰۃ المصابیح ص۱۷۳)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رکھے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔"

عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا جاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ وَ

صُفِّدت الشیاطین (رواہ البخاری والترمذی الترغیب والترھیب)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب رمضان شریف آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ۔ اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین مقید کر دیئے جاتے ہیں ۔"

وقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم (فی حدیث طویل) ویقول اللہ عزّوجل فی کل لیلۃ من شھر رمضان لمناد ینادی ثلاث مرات ھل من سائل فاعطیہ مسئولہ ھل من تائب فاتوب علیہ ھل من مستغفر فاغفرلہ الخ (الترغیب والترھیب ۔ص ۸۰ ج ۲)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان المبارک کی ہر رات میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک منادی تین بار پکارتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا تاکہ اسکی مغفرت کروں، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ اس کی توبہ قبول کروں، ہے کوئی حاجت مانگنے والا جس کی حاجت پوری کروں ۔

ایک حدیث میں یوں بھی ہے کہ خدائے پاک کا منادی ہر رات یوں پکارتا ہے: یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَ یَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ ۔

اے خیر کے طلب کرنے والے آگے بڑھ اور اے برائی کے طلب کرنے والے بس کر

وعن کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم احضروا المنبر فحضرنا فلما ارتقی درجۃ قال اٰمین فلما ارتقی الدرجۃ الثانیۃ قال اٰمین فلما نزل قلنا یا رسول اللہ لقد سمعنا منک الیوم شیئا ما کنا نسمعہ قال ان جبریل عرض لی فقال بعد من ادرک رمضان فلم یغفر لہ قلت اٰمین فلما رقیت الثانیۃ قال بعد من ذکرت عندہ فلم یصل علیک فقلت اٰمین فلما رقیت الثالثۃ قال بعد من ادرک ابویہ الکبر عندہ اواحدھما فلم یدخلاہ الجنۃ قلت اٰمین ۔

(الترغیب والترھیب ۔ص ۶۶ ج ۲)

"حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ ہم لوگ حاضر ہو گئے ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے درجہ پہ قدم مبارک رکھا تو فرمایا آمین، جب دوسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین ۔ جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین ۔
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپؐ سے (منبر پر چڑھتے ہوئے) ایسی بات سُنی جو پہلے کبھی نہیں سُنی تھی ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرئیلؑ میرے سامنے آئے تھے (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی میں نے کہا آمین پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپؐ کا ذکر مبارک ہوا اور وہ درود نہ بھیجے میں نے کہا آمین جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاوے اور وہ جنت حاصل نہ کرے میں نے کہا آمین ——" (ماخوذ)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن حکیم اور خطابات کے
نشر القرآن کیسٹ سیریز، کراچی میں حسب ذیل پتہ پر دستیاب
ہیں شائنگ ٹریڈرز ۔ رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ ۔
شاہراہ لیاقت ۔ کراچی ، فون ۲۱۴۷۰۹

فہم قرآن

اور

خصوصاً قرآن کے منضبط اور مربوط مطالعے کے ضمن میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کی نشری (ریڈیو) تقاریر پر مبنی ایک اہم تصنیف

قرآن مجید کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الکہف

ضرور مطالعہ کیجئے

(کتاب کا دوسرا ایڈیشن حال ہی میں چھپ کر آیا ہے)

اعلیٰ سفید کاغذ، عمدہ کتابت اور دیدہ زیب طباعت

ھدیہ : ۱۰ روپے

Regd. L. No. 8193

'HIKMAT-E-QURAN' MONTHLY LAHORE

Vol. 2	JUNE 1983	No. 4

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاھور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان ــــ اور ــــ سرچشمۂ یقین

قرآن حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ــــ اور ــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ھے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ــ اور ــ غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ